Regd.# MC-1366

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

جلد 10 • شمارہ 09 • مارچ 2021

ماہنامہ فہمِ دین

بھیڑیے کا جال

مچھلیاں

دیوارِ انا

قرآن کا اعجاز

اصل مومن کون؟

BAITUSSALAM PUBLICATIONS
WWW.BAITUSSALAM.ORG/85/PUBLICATIONS
91400056741

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

Saiban
FOR ORPHANS
BAITUSSALAM

BAITUSSALAM
IMDADI MARKAZ
امدادی مرکز
ضرورتمندوں کی خدمت عزت و احترام کے ساتھ

BAITUSSALAM

اہل خیر کی زکوٰۃ، صدقات اور عطیات کا بہترین مصرف

یتیموں، بیواؤں، معذوروں اور جان لیوا امراض کے مریضوں کا

ماہانہ

کفالت پروگرام

For Monthly Ration Kafalat **(ZAKAAT)**	For Monthly Ration Kafalat **(SADQAT - ATYAAT)**
ACCOUNT TITLE: **BAITUSSALAM WELFARE TRUST**	ACCOUNT TITLE: **BAITUSSALAM WELFARE TRUST**
BANK: **MEEZAN BANK 8079**	BANK: **MEEZAN BANK 8079**
ACCOUNT NO. : **0127-0104048079**	ACCOUNT NO. : **0127-0104048083**
IBAN: **PK89MEZN0001270104048079**	IBAN: **PK78MEZN0001270104048083**

facebook.com/BaitussalamWelfareTrust/
wa.me/923162881088
instagram.com/baitussalamwelfaretrust
twitter.com/Baitussalam_Org
t.me/baitussalam_org
youtube.com/c/Baitussalam

ماہ نامہ

فہمِ دین

کراچی

مارچ 2021

فہمِ وفکر

بھیڑیے کا جال — مدیر کے قلم سے — 04

اصلاحی سلسلہ

فہمِ قرآن — شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم — 05
فہمِ حدیث — مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ — 06
میری زندگی اللہ کی امانت — حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ — 08

مضامین

حضرت قاضی عبد اللہ بن غانم رحمۃ اللہ علیہ — حذیفہ رفیق — 10
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا — ندا اختر — 11
مسائل پوچھیں اور سیکھیں — مفتی محمد توحید — 14
شکر گزاری — آسیہ عمران — 15
اصل مومن کون؟ — عمارہ فہیم — 17
روزہ اور صحت — حکیم شمیم احمد — 17

خواتینِ اسلام

دیوار اَنا — ام نسیبہ — 21
ماہ شعبان — ام ایمن — 22
آپی نامہ — آئمہ بخاری — 23
دو سائے — بنت محمد رفیق — 24
قرآن کا اعجاز — ام محمد سلمان — 25
پچھتاوے کی سسکیاں — زینب گوہر — 28
آگ — عشوا رانا — 29

باغچہ اطفال

مچھلیاں — فوزیہ خلیل — 31
چی چی کا پیارا گھر — سمیرا انور — 32
کاغذ کی کشتی — جاوید بسام — 33
ہر فن مولا — ڈاکٹر الماس روحی — 34
آدھی گاجر — اہلیہ محمد فیصل — 35
طلسماتی کہانی — محمد فیصل علی — 36
اور سوچ بدل گئی — احمد رضا انصاری — 37
بچوں کے فن پارے — 40
انعامات ہی انعامات — 41

بزمِ ادب

قلم — سحر قاسمی — 42
مومنوں کی خوبیاں — ارسلان اللہ خان — 43
سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا — رمیصاء اسلم — 43
گلدستہ — ابو بکر، عبد الرحمان — 44

اخبار السلام

بیت السلام اولمپیاڈ — خالد معین — 46

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر: محمد خرم شہزاد
نائب مدیر: قاری عبد الرحمن
ناظم: خالد عبد الرشید
نظرِ ثانی: طارق محمود
تزئین و آرائش: نوید فرید

آراء و تجاویز کے لیے
0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

خط و کتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے
26-C گراؤنڈ فلور، بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون
فی شمارہ: 40 روپے
سالانہ فیس: 520 روپے
بیرون ملک بدل اشتراک: 35 ڈالر

ناشر: فیصل زبیر
مطبع: واسا پرنٹر
مقامِ اشاعت: دفترِ فہمِ دین

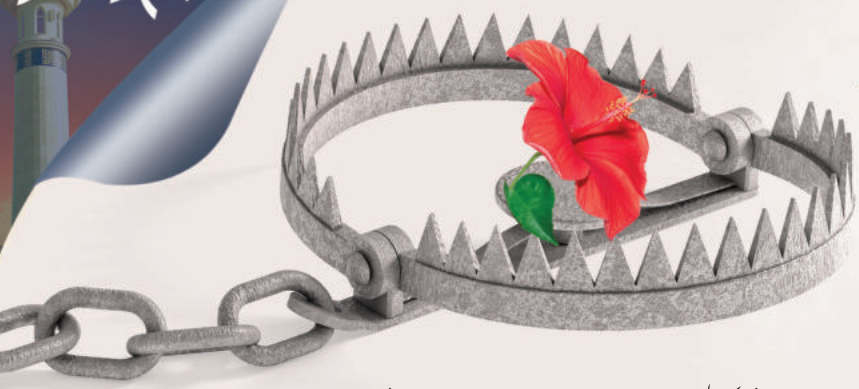

بھیڑیے کا جال

مدیر کے قلم سے

دُنیا میں ہم اپنی مرضی سے آئے ہیں کیا؟ شکل وصورت ہمیں ہماری مرضی کی ملی ہے کیا؟ والدین کا انتخاب ہم نے اپنی مرضی سے کیا ہے کیا؟

نہ دُنیا میں ہم اپنی مرضی سے آئے، نہ شکل وصورت ہماری مرضی کی ملی، نہ والدین ہماری مرضی کے ہمیں ملے۔

پھر اس اکڑ فوں کا کیا مطلب کہ میرا جسم میری مرضی؟

ذہانت مرضی کی نہیں ملتی، خدا کی دَین ہے۔ ایک گھر میں ایک باپ کی اولاد ہونے کے باوجود کوئی بلا کا ذہین اور کوئی پڑھ پڑھ کر تھک جائے، یاد ہو کے نہ دے، جذبات اور احساسات مرضی کے نہیں ملتے، کوئی غضب کا حسّاس، دوسروں کی ذرا سی تکلیف پر تلملا اٹھتا ہے اور کوئی قیامت گزر جائے، ٹَس سے مَس نہیں ہوتا، تدبیر کا اختیار بھی انسان کو دیا گیا ہے، مگر تقدیر کے تماشے بھی دُنیا میں چار سُو نظر آتے ہیں،

انسان اپنی مرضی سے چل تو سکتا ہے، مگر اپنی مرضی سے اُڑ نہیں سکتا۔ انسان اپنی مرضی سے شادی تو کر سکتا ہے، مگر اپنی مرضی سے صاحبِ اولاد نہیں ہو سکتا۔

پھر تیس مار خان بننے کا کیا مطلب کہ میرا جسم میری مرضی؟

والدین ہماری مرضی کے نہیں، بہن بھائی ہماری مرضی کے نہیں، دُنیا میں آمد ہماری مرضی کی نہیں، دُنیا سے واپس کب جانا ہو گا؟ بچپن میں، جوانی میں یا بڑھاپے میں، اس میں بھی ہم سے مرضی نہیں پوچھی جائے گی۔ پھر بھی طُرفہ تماشا دیکھیے کہ میرا جسم میری مرضی!

قارئین! میں پورے وثوق اور یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہماری بہنوں کو واقعی اس نعرے سے کوئی سروکار نہیں، یہ اسلامی احکام کی پابند اللہ کی بندیاں ہیں، یہ مشرقی تہذیب کی پروُردہ ہیں، یہ خاندانی نظام کے مضبوط قلعے میں رہنے والی شہ زادیاں ہیں۔ ہماری اسلامی اور مشرقی عورتوں کا حسن ہی نظر جھکانے میں ہے۔ یہ حیا کی چادر تھوڑا تار تار ہونے دیتی ہیں، یہ چار دیواری کو بوجھ تھوڑا سمجھتی ہیں، یہ بھائی کے ساتھ چلنے کو عار تھوڑا سمجھتی ہیں۔

کیا مدرسہ، کیا یونی ورسٹی، کیا گھر، کیا بازار، جو بہن بیٹیاں مسلمان ہیں، خاندانی ہیں، خوفِ خدا رکھتی ہیں، بھائیوں کا مان اور خاندان کی عزت ہیں، اُن بیچاریوں کو تو سچی بات ہے یہ تک نہیں پتا کہ "میرا جسم، میری مرضی" کا مطلب ہے کیا؟

لیکن چند بیبیاں ہیں، جن کی تعلیم "امپورٹڈ"، جن کا رزق "امپورٹڈ" ہے، جن کے رَول ماڈل بھی "امپورٹڈ" ہیں، جن کی تہذیب، ثقافت، رہن سہن کچھ بھی تو اسلامی، پاکستانی اور مشرقی نہیں، جن کو اسلام سے اللہ واسطے کا بیر ہے، جن کی طبیعتوں میں ٹیڑھ ہے، وہ میری بھولی بھالی بہنوں کو لگتی ہیں درس دینے کہ "ہمارا جسم، ہماری مرضی"۔ پھر یہ صرف بغاوت کا ایک نعرہ نہیں ہے، اس کے پیچھے پوری مشرقی تہذیب سے بغاوت ہے۔ یہ خاندانی نظام سے بغاوت ہے۔

قارئین گرامی! بس اتنی بات سمجھ لینی چاہیے کہ کھلا جنگل ہو، خون خوار بھیڑیے ہوں، بکری محفوظ اور مضبوط پناہ گاہوں میں ہو اور بھیڑیے نے جال ڈالا ہو کہ ارے پگلی! کہہ دے کہ میرا جسم میری مرضی۔ تو پھر انجامِ گلستاں کیا ہو گا! جب تک ہم اس جال سے بچے رہیں گے، ہم اپنی مرضی سے خود مختار، باوقار، عزت دار زندگی گزارتے رہیں گے اور جس دِن بھیڑیے کا وار کام کر گیا، پھر خاندانی نظام کی دھجیاں تو اُڑ جائیں گی، بھائی کا مان بھی ٹوٹ جائے گا، باپ کے خواب بھی کرچی کرچی ہو جائیں گے، ماں جیتے جی مر جائے گی، لیکن اتنی بات یاد رکھنے کی ہے کہ میرے جسم پر میری مرضی پھر بھی نہیں ہو گی۔ مضبوط پناہ گاہ سے نکل کر بھیڑیوں کے جنگل میں بکری کی مرضی کا کیا مطلب؟ پھر تو بھیڑیے کی مرضی ہو گی، پھر زندگی ایک ناسُور ہو گی، بلکہ اس سے بھی بدتر۔

قارئینِ گرامی! یہ ثقافتوں کی جنگ ہے، یہ جنگ ہمیں جیتنی ہے، یہ سوشل میڈیا پر وقت گزاری کا طریقہ نہیں ہے کہ جو میسج آیا، کچھ دیر کے مزے کے لیے بِن دیکھے اُسے فارورڈ کر دیا۔ ایسا ہر میسج جو "میرا جسم، میری مرضی" کے دَلدَل میں دھکیلتا ہو، اسے ایک مسلمان کیسے فارورڈ کر سکتا ہے۔ ہمارا تو ایک ہی پیغام ہے، اور وہ یہ کہ "اللہ کا دیا ہوا جسم ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی مرضی ہے" اور اسی کو ہم نے پھیلانا ہے۔ والسلام

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

فہمِ قرآن

النساء 60-65

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ
قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ
وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا 60

ترجمہ: (اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ اس کلام پر بھی ایمان لے آئے ہیں جو تم پر نازل کیا گیا ہے اور اس پر بھی جو تم سے پہلے کیا گیا تھا' (لیکن) ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنا مقدمہ فیصلے کے لیے طاغوت کے پاس لے جانا چاہتے ہیں؟ حالاں کہ ان کو حکم یہ دیا گیا تھا کہ وہ اس کا کھل کر انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو بھٹکا کر پرلے درجے کی گم راہی میں مبتلا کر دے۔ 60

تشریح 1: یہاں سے ان منافقوں کا ذکر ہو رہا ہے جو اصل میں دل سے تو یہودی تھے' مگر مسلمانوں کو دکھانے کے لیے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔ ان کا حال یہ تھا کہ جس معاملے میں ان کو توقع ہوتی کہ آں حضرت ﷺ ان کے فائدے کا فیصلہ کریں گے' ان کا مقدمہ تو آپ کے پاس لے جاتے' لیکن جس مسئلے میں ان کو خیال ہوتا کہ آں حضرت کا فیصلہ ان کے خلاف ہوگا' وہ مقدمہ آپ ﷺ کے بجائے کسی دوسرے یہودی سردار کے پاس لے جاتے' جسے اس آیت میں "طاغوت" کہا گیا ہے۔ منافقین کی طرف سے ایسے کئی واقعات پیش آئے تھے جو متعدد روایات میں منقول ہیں۔ "طاغوت" کے لفظی معنٰی ہیں "نہایت سرکش" لیکن یہ لفظ شیطان کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور ہر باطل کے لیے بھی۔ یہاں اس سے مراد وہ حاکم ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام سے بے نیاز ہو کر یا ان کے خلاف فیصلہ کرے۔ آیت نے واضح کر دیا کہ اگر کوئی شخص زبان سے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے' لیکن اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر کسی اور قانون کو ترجیح دے تو وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ
رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا 61

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اللہ نے اتارا ہے اور آؤ رسول کی طرف تو تم ان منافقوں کو دیکھو گے کہ وہ تم سے پوری طرح منہ موڑ بیٹھتے ہیں۔ 61

فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ
بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا 62

ترجمہ: پھر اس وقت ان کا کیا حال بنتا ہے جب خود اپنے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے؟ اس وقت یہ آپ کے پاس اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں کہ ہمارا مقصد بھلائی کرنے اور ملاپ کرا دینے کے سوا کچھ نہ تھا۔ 62

تشریح نمبر 2: یعنی جب ان کا یہ معاملہ تمام لوگوں پر کھل جاتا ہے کہ یہ آں حضرت ﷺ کے فیصلے کے بجائے یا اس کے خلاف کسی اور کو اپنا فیصل بنا رہے ہیں اور اس کے نتیجے میں انھیں ملامت یا کسی سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو یہ جھوٹی تاویل کرتے ہیں کہ ہم اس شخص کے پاس عدالتی فیصلہ کرانے نہیں گئے تھے' بلکہ مصالحت کا کوئی راستہ نکالنا چاہتے تھے' جس سے جھگڑے کے بجائے میل ملاپ کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ
لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا 63

ترجمہ: یہ وہ ہیں کہ اللہ ان کے دلوں کی ساری باتیں خوب جانتا ہے' لہٰذا تم انھیں نظر انداز کر دو اور ان سے خود ان کے بارے میں ایسی بات کہتے رہو جو دل میں اتر جانے والی ہو۔ 63

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا
أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا
اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا 64

ترجمہ: اور ہم نے کوئی رسول اس کے سوا اور مقصد کے لیے نہیں بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا' اگر یہ اس وقت تمہارے پاس آ کر اللہ سے مدد مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تو یہ اللہ کو بہت معاف کرنے والا اور بڑا مہربان پاتے۔ 64

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي
أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا 65

ترجمہ: نہیں' (اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے' جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصل نہ بنائیں' پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو ان کے بارے میں' اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اس کے آگے مکمل طور پر سر تسلیم خم کر دیں۔ 65

فہمِ حدیث

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

اللہ کی طرف سے زاہد بندوں کو نقد صلہ

عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا زَهِدَ عَبْدٌ فِي الدُّنْيَا إِلَّا أَنْبَتَ اللهُ الْحِكْمَةَ فِيْ قَلْبِهٖ وَأَنْطَقَ بِهَا لِسَانَهٗ وَبَصَّرَهٗ عَيْبَ الدُّنْيَا وَدَاءَهَا وَأَخْرَجَهٗ مِنْهَا سَالِمًا إِلَى دَارِ السَّلَامِ

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بندہ بھی زہد اختیار کرے (یعنی دنیا کی رغبت و چاہت اپنے دل سے نکال دے اور اس کی خوش عیشی و خوش باشی کی طرف سے بے رغبتی اور بے رخی اختیار کرلے) تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے دل میں حکمت اگائے گا اور اس کی زبان پر بھی حکمت جاری کرے گا اور دنیا کے عیوب اور اس کی بیماریاں اور پھر اس کا علاج معالجہ بھی اس کو آنکھوں سے دکھائے گا اور دنیا سے اس کو سلامتی کے ساتھ نکال کر جنت میں پہنچادے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: یعنی دنیا میں جو شخص زہد اختیار کرے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو حکمت القا کی جاتی ہے، حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے اس کی اور زیادہ تفصیل اور تشریح معلوم ہوئی:

"اَنْبَتَ اللهُ الْحِكْمَةَ فِيْ قَلْبِهٖ" اللہ اس کے دل میں حکمت اگاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ زہد اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی دنیا میں پہلا نقد صلہ یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قلوب میں رہتا ہے اور معرفت کا تخم ڈال دیتا ہے، جو اللہ کی خاص عنایت سے نشو نما پاتا رہتا ہے اور ترقی کرتا رہتا ہے اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی زبانوں سے حکمت ہی کا سرچشمہ جاری رہتا ہے اور دنیا کے عیوب و امراض گویا ان کو آنکھوں سے دِکھا دیے جاتے ہیں اور ان کے علاج معالجہ میں بھی ان کو خاص بصیرت عطا ہوتی ہے اور دوسرا خاص انعام ان بندوں پر یہ ہوتا ہے کہ ان کو ایمان اور تقویٰ کی سلامتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس دنیا سے اٹھاتا ہے اور وہ اس فانی دنیا سے نکال کر جاودانی عالم میں یعنی دار السلام جنت میں پہنچا دیے جاتے ہیں۔

خاصانِ خدا عیش و تنعّم کی زندگی نہیں گزارتے

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ لَمَّا بَعَثَ بِهٖ إِلَى الْيَمَنِ قَالَ إِيَّاكَ وَالتَّنَعُّمَ فَإِنَّ عِبَادَ اللهِ لَيْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِيْنَ

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ان کو یمن کی طرف روانہ کیا تو نصیحت فرمائی کہ معاذ! آرام طلبی اور خوش عیشی سے بچتے رہنا، اللہ کے خاص بندے آرام طلب اور خوش عیش نہیں ہوا کرتے۔ (مسند احمد)

تشریح: دنیا میں آرام و راحت اور خوش عیشی کی زندگی اگرچہ حرام اور ناجائز ہے، لیکن اللہ کے خاص بندوں کا مقام یہی ہے کہ وہ دنیا میں تنعّم کی زندگی اختیار نہ کریں: اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا وَفِيْ رِوَايَةٍ كَفَافًا

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ "اے اللہ! محمد کے متعلقین کی روزی بس بقدر کفاف ہو۔ (بخاری و مسلم)

Shangrila®

THE FOOD EXPERTS!

گھر جیسا اچار چٹخارے دار...

www.shangrila.com.pk | ShangrilaPakistan | ShangrilaPakistan

میری زندگی اللہ کی امانت

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

صدیاں گزر گئیں، لیکن برف کی تاثیر تبدیل نہیں ہوئی، نمک کی تاثیر تبدیل نہیں ہوئی، مرچ کی تاثیر تبدیل نہیں ہوئی، چینی کی تاثیر ہمیشہ سے ایسی ہی ہے، آگ کی تاثیر تبدیل ہوئی نہ ہونے کا امکان ہے۔ اگر کوئی یہ کہے میاں! بڑا روشن خیالی کا دور ہے، آج کل برف میں تپش کی تاثیر ہے اور آگ کے انگارے میں زمانے کی تبدیلی سے ٹھنڈک آگئی ہے۔ کیا کہا جائے گا؟ دماغ خراب ہوگیا ہے۔ عقل کھو بیٹھا ہے۔ اس لیے کہ صدیوں سے ان چیزوں کی تاثیر تبدیل نہیں ہوئی، جب یہ یقینی ہے تو اس سے کہیں زیادہ یہ یقینی ہے کہ جب کسی چیز کی تاثیر اللہ بتائے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے پتا چلے، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کسی چیز کی تاثیر بتائیں تو بھلا اس کا نتیجہ کہاں چوک سکتا ہے۔ اس کی تاثیر میں کہاں کمی ہوسکتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

خِصَالٌ خَمْسٌ إِذَا نَزَلْنَ بِكُمْ وَأَعُوذُ بِاللهِ أَنْ تُدْرِكُوهُنَّ، مِنْهَا لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ حَتَّى يُعْلِنُوا بِهَا، إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الطَّاعُونُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِي أَسْلَافِهِمُ الَّذِينَ مَضَوْا قَبْلَهُمْ

”پانچ چیزیں ہیں، اگر تم ان میں مبتلا ہوگئے اور اللہ کی پناہ کہ تم اس مصیبت میں آجاؤ، ان میں سے ایک یہ ہے کہ لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ حَتَّى يُعْلِنُوا جب بھی کسی قوم میں علی الاعلان بے حیائی اور فحاشی آتی ہے تو ان میں طاعون اور ایسے وائرس اور ایسی مصیبتیں اور ایسی بیماریاں ان کے اندر آتی ہیں جو ان کے آباؤ اجداد نے نہ سنی ہوتی ہے نہ دیکھی ہوتی ہیں۔“

یہ بات رسول اللہ ﷺ فرمارہے ہیں کہ یہ ری ایکشن ہوتا ہے، یہ نتیجہ آتا ہے، ان بداخلاقیوں پر یہ مصیبت آنے والی ہے اور جب سیلاب آیا کرتا ہے، پھر وہ نہیں دیکھتا یہ غریب کی جھونپڑی ہے یا امیر کی کوٹھی ہے اور جب سیلاب آیا کرتا ہے، پھر وہ نہیں دیکھتا کہ یہ کسی بیوہ کے سر چھپانے کی جگہ ہے یا کسی کا محل اور عشرت کدہ ہے۔ وہ سب کو بہا کر لے جاتا ہے۔ جب اس بداخلاقی کا سیلاب اور وبا آتی ہے، جب یہ آگ لگتی ہے تو پھر اچھے اچھے بھی اس آگ کے دائرے میں آجاتے ہیں، اچھے اچھے گھرانے بھی اس کے حصہ میں آجاتے ہیں۔

اللہ کے پیغمبر نے جو بتایا چیزوں کا ری ایکشن، سو فیصد یقینی ہے۔ ہاں آگ کبھی اپنی تاثیر چھوڑ سکتی ہے، ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے، آگ نے نہیں جلایا۔ چھری چیزوں کو کاٹ دیا کرتی ہے، لیکن کبھی یہ چھری اپنی تاثیر چھوڑ سکتی ہے، اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر چلائی گئی نہیں چلی۔ سمندر اور دریاؤں میں دنیا ڈوب جایا کرتی ہے، لیکن موسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کا لشکر گزرتا ہے، نہیں ڈوبتے۔ دجلہ کی لہروں کے درمیان محمد رسول اللہ ﷺ کے غلام اپنے گھوڑے ڈال دیتے ہیں، یوں چلتے ہیں جیسے خشکی میں چل رہے ہیں۔ یہ مادی چیزیں کبھی اپنی تاثیر چھوڑ دیتی ہیں، چھری کاٹتی ہے، نہیں کاٹ رہی، آگ جلاتی ہے، نہیں جلا رہی، سمندر اور دریا ڈبو دیا کرتے ہیں، نہیں ڈبو رہے ہیں، لیکن جس چیز کی تاثیر اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے، اللہ کے قرآن نے بتائی ہے، اللہ کے نبی کی حدیث میں پتا چل رہا ہے کہ سورج کے آنے کے بعد روشنی یقینی ہے، سورج کے بعد شام کا آنا یقینی ہے۔ ہمارے نبی کی بتائی ہوئی بات اس سے بھی زیادہ یقینی ہے جو نتائج، جو ری ایکشن، جو مصیبت جس عذاب کا تذکرہ اللہ کے نبی بداعمالی پر بتا رہے ہیں، اس کا آنا اس سے بھی زیادہ یقینی ہے، تب ہی تو اللہ کے نبی اپنے پیروکاروں سے کہہ رہے ہیں کہ تم اللہ کی پناہ میں آجاؤ، کہیں تم اس مصیبت میں گرفتار نہ ہو اور تمہارے معاشرے میں کہیں یہ بے حیائی فحاشی عام نہ ہونے پائے، اس لیے تو اللہ کا کلام ہے اور اللہ کے کلام میں اس بات کا تذکرہ ہے ان لوگوں کے لیے:

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

جو مسلمان معاشرے اور سوسائٹی میں بے حیائی اور فحاشی کو فروغ دے رہے ہیں، اللہ کا اعلان ہے، سن لیں! ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

کیوں۔۔۔ اس پر تو معاشرے مصائب کا شکار ہوتے ہیں، فساد کا شکار ہوتے ہیں، تباہی

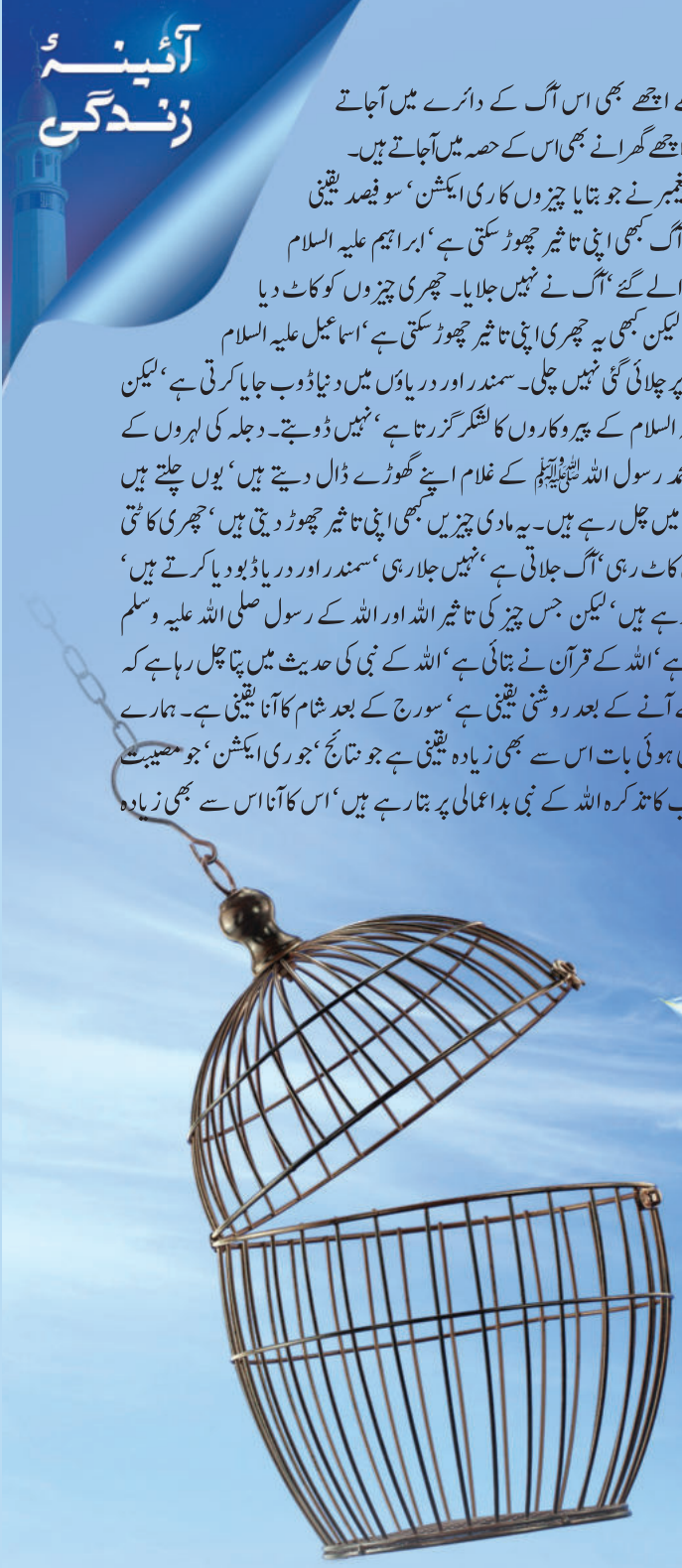

کا شکار ہوتے ہیں ‘گھر گھر نہیں رہتے ‘ازدواجی رشتے نہیں رہتے ‘ماں باپ کا رشتہ نہیں رہتا‘ سوسائٹیاں ‘ خاندان ‘گھریلو زندگیاں بربادی اور فساد کا شکار ہو جاتی ہیں ‘جو مسلمان معاشرے میں یہ بے حیائی کا بم پھاڑتا ہے ‘یہ انسانیت کا دشمن ہے ‘ ان کے لیے دردناک عذاب ہے ‘جو مسلمان معاشرے میں بے حیائی کو فروغ دے رہے ہیں اور اللہ نے اہلِ ایمان کو اور اس امت کی جو ذمے داری دی ہے اصلاح کی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ‘جو اس امت کی ذمے داری ہے۔ اپنے اپنے دائرہ کار میں برائی کے لیے راستے روکنا‘ نیکی کے لیے راستے ہموار کرنا‘ برائی کے لیے پتھر بن جانا‘ رکاوٹ بن جانا ‘جو جو اس امت کی ذمے داری ہے ‘اسے اس ذمہ داری کا احساس اس کا شعوریوں یاد دلایا اور فرمایا :

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ أُوْلُوا بَقِيَّةٍ

پہلی امتوں میں اور پہلی قوموں میں ایسے سمجھ دار لوگ کیوں نہ ہوئے ‘ جن کی یہ سمجھ ہوتی کہ اعمالِ بد کے نتائج کیا ہوتے ہیں‘ بداخلاقی پر کیا مصائب آتے ہیں‘ بے حیائی کے نتائج کیا ہوتے ہیں؟ ایسے عقل مند لوگ کیوں نہ ہوئے کہ "يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ" سبحان اللہ ! قرآن نے یہ نہیں کہا کہ ایسے عقل مند گناہوں سے روکتے ‘ شرک سے روکتے ‘ بلکہ ایسا جملہ فرمایا کہ پورا معاشرہ پوری سوسائٹی اور آنے والی یہ وبا اور آنے والا یہ فساد اور سیلاب پورے معاشرے کو اپنے اندر لے لیتا ہے گناہوں سے آنے والا اس بداخلاقی کا جو نتیجہ اس پر آنے والا جو بے حیائی کا بداخلاقی کا سیلاب ہے ‘ یہ بہت بڑا فساد کا ذریعہ ہے

يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ

ایسے لوگ کیوں نہ ہوئے ؟ یہ اللہ نے پہلی امتوں کا تذکرہ کر کے اس امت کو احساس دلایا کہ تم میں وہ لوگ جو اب تک باضمیر ہیں ‘جن کے یہاں غیرت اور حیا کا کچھ جوہر ہے ‘جن کے یہاں ایمان کی قدر و قیمت ہے ‘جن کے ہاں اسلامی طرزِ زندگی اسلامی شعائر کی ان کے ہاں قدر و قیمت ہے ‘ وہ کیوں نہ معاشرے کے اندر روئے دھوئے کھڑے ہوئے ہاتھ پاؤں کیوں نہ مارے کہ کس طریقے سے اس برائی کا سدِّ باب ہو‘ کس طریقے سے اس کا راستہ روکا جائے ‘کون سا ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ مسلمان معاشرے میں یہ آگ بڑھتے بڑھتے ‘ یہ بے حیائی کا طوفان کسی گھر کو نہیں چھوڑے گا تو اللہ رب العزت نے اہلِ ایمان کی ذمے داری کا احساس دلایا کہ یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ اپنے اپنے دائرہ کار کے اندر رہ کر اس عذاب کا اور اس مصیبت کا اور اس گندگی کا راستہ روکیں۔ تصور نہیں تھا مسلمان معاشرے کے اندر کہنے میں وہ مسلمان ‘لیکن کیا کہیں اس نظامِ تعلیم سے ہماری نسل پچھلی ایک صدی سے گزر رہی ہے ‘جہاں ایک نسل تیار ہو چکی ہے جو مادر پدر آزاد ہے ‘ جسے یوں کہیے کہ اجتماعی ماحول میں اسلام کا نام تو لیتی ہے ‘لیکن حقیقت میں وہ مادر پدر آزاد ہو چکی ہے ‘ یہ اس نظام تعلیم کا اثر ہے ‘ جس تعلیمی نظام سے اسے گزارا جا رہا ہے ‘اس نسل پر یہ نتائج سڑکوں پر آ رہے ہیں ‘ بازاروں میں آ رہے ہیں ‘علی الاعلان وہ گندگی سر چڑھ کر بول رہی ہے۔ اللہ تعالی نے اپنے پیغمبر سے فرمایا اپنی امت کو سبق دیں اور یوں کہیں

"إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ"

آپ اپنی امت کو سبق دیں کہ میری نماز بھی اور میری عبادت بھی اور میرا جسم بھی اور میری زندگی بھی ‘ مسلمان کی زندگی بھی اس کے اختیار میں نہیں ‘مسلمان کے جسم کا بھی وہ خود مالک نہیں ‘اس لیے خودکشی حرام ہے ‘اس لیے خودکشی بہت بڑا جرم اور ظلم ہے ‘اس لیے کہ اس میں یہ آزاد نہیں۔ اللہ نے اپنے پیغمبر سے کہا اپنی امت کو سبق یاد دلاؤ سبحان اللہ ! اللہ تو جانتے تھے ‘ مسلمان معاشرے میں ایسی نسل بھی پیدا ہو گی ‘ایسا معاشرہ بھی مسلمانوں پر آئے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے ‘اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب تمہارے نوجوان سرکش ہو جائیں گے اور تمہاری عورتیں شرم و حیا کی ساری حدیں پھلانگ جائیں گی۔ سننے والے کہنے لگے : یا رسول اللہ (ﷺ) ! مسلمانوں میں ایسے بھی ہوں گے ‘ مسلمان اپنی آنکھوں سے وہ دن بھی دیکھیں گے ‘ مسلمان معاشرے اور سوسائٹی میں ایسی نسل بھی ہو گی ‘ اس کی بھی نشوونما مسلمان معاشرے میں ہو گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا‘ معاملہ اس سے بھی سنگین ہو گا اور اس سنگینی کا تذکرہ کرتے کرتے رسول اللہ نے فرمایا‘ معاملہ اس سنگینی اور اس سطح تک پہنچے گا کہ بہت سارے اس بے حیائی اور بدی کی حمایت میں بھی کھڑے ہوں گے ‘بہت سارے اس گندگی کی حمایت میں بھی کھڑے ہوں گے ‘ان کی نظروں میں یہ برائی برائی نہیں ہو گی اور جو اس کی برائی کے لیے ہاتھ اٹھائے گا‘ زبان کھولے گا‘ کھڑا ہو گا‘ دنیا اسے انتہا پسند کہے گی ‘اسے تاریک خیال کہے گی ‘ تنگ نظر کہے گی۔ رسول اللہ نے اپنی نبوت کی آنکھوں سے بھی دیکھا جس سے ہم آج گزر رہے ہیں ‘وہ دور بھی دیکھا جس سے ہم گزر رہے ہیں۔

اللہ نے اپنے پیغمبر سے کہا اپنی امت کو سبق دو اور کہو

قل إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

میری نماز بھی اور میری عبادت بھی ‘اتنا نہیں کہ نماز پڑھ لینا کافی ہے ‘اتنا نہیں کہ حج کر لینا کافی ہے ‘اتنا نہیں کہ روزہ رکھ لینا کافی ہے ‘اتنا نہیں کہ میری پیدائش میں چند رسم و رواج ہو جائیں وہ کافی ہیں ‘اتنا کافی نہیں کہ مسلمان اس کا جنازہ پڑھ لیں ‘ بس یہ کافی ہے ‘ نانا ! مسلمانوں کو یہ سبق دے دو اور انھیں بتاؤ کہ میرا جینا اور مرنا ‘ میرا جسم اور میرے جسم کی ساری نعمتیں یہ سب اللہ کے لیے ہیں ‘اس پر وہ ہو گا جو اللہ چاہے گا ‘اس پر وہ مرضی ہو گی جس پر میرے اللہ کی مرضی ہو گی ‘اس کا استعمال یوں ہو گا جیسے اللہ کی چاہت ہو گی۔ یہ مسلمانوں کو اللہ نے اپنے پیغمبر کے ذریعے سبق یاد کرایا

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ----

اللہ کے پیغمبر نے اس امت کی رہنمائی فرمائی ‘اس لیے کہ اللہ کا نبی اس امت کا رحیم ہے ‘اللہ کا نبی اس امت کا رؤف ہے ‘انتہائی درد رکھنے والا اس امت کا اور انتہائی خیر خواہ اس امت کا اور انتہائی مہربان اس امت کا ‘ہر اس ہلاکت سے ڈرایا اور ہر اس بربادی کی نشان دہی کرائی ‘جس سے یہ امت ہلاک ہو سکتی ہے ‘جس سے یہ امت برباد ہو سکتی ہے اور اس کا ایک بہت بڑا ذریعہ بے حیائی اور فحاشی ہے کہ مسلمان معاشرے میں اسے فروغ دیا جائے ‘اس کی حوصلہ افزائی ہو ‘ یہ اس امت کی بربادی شروع ہو جاتی ہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے : جب بھی کسی قوم میں سود خوری اور یہ بے حیائی اور بدکاری عام ہو جائے گی ‘اللہ اسے ہلاک و برباد کر دیں گے۔ اللہ ربّ العزت ان ساری گندگیوں سے بھی ہماری حفاظت فرمائے اور ہر ایک کو اپنے اپنے دائرہ کار کے اندر اصلاح اور اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کی اللہ ربّ العزت توفیق اور احسان بھی نصیب فرمائے۔ آمین

حضرت قاضی عبداللہ بن غانم

حذیفہ رفیق

نام: عبداللہ بن عمر بن غانم کنیت: ابو عبدالرحمٰن قبیلہ: نُمیر صفات: فقیہ، شاعر، فصیح بیان قاضی وقت۔علاقہ: قیروان، تیونس پیدائش 821 ہجری وفات: ربیع الاخر 091 ہجری مشہور اساتذہ: امام مالک، امام ابو یوسف، عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم افریقی، سفیان مشہور تلمیذ: محمد بن مسلمہ تعنبی

علمی اسفار اور امام مالک کے حلقے میں: یہ علم حاصل کرنے کے لیے نکلے تو شام اور عراق کا سفر کیا اور حجازِ مقدّس میں پہنچے، وہاں مدینہ منوّرہ میں امام مالک کی خدمت میں رہے۔امام مالک ان کی بہت قدر فرماتے، یہ جب بھی امام مالک کی مجلس میں تشریف لاتے تو امام مالک انھیں اپنے ساتھ بٹھاتے اور ان سے اہلِ اندلس کے احوال لیتے۔امام مالک کے دوسرے شاگرد یہ دیکھتے تو یوں کہتے: اندلس نے امام مالک کو ہم سے مشغول کر دیا ہے۔امام مالک کا ان سے تعلق کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے ان کو اپنی بیٹی کے نکاح کی پیشکش بھی کی تھی، لیکن عقد نہیں ہو سکا، وجہ یہ بنی کہ ان کا پردیس میں قیام کا ارادہ نہیں تھا، انھوں نے فرمایا: اگر آپ اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ کی بیٹی کو اپنے ساتھ قیروان لے جاؤں تو میں اس کے لیے تیار ہوں۔

منصب قضا پر: ہارون الرشید نے انھیں رجب 171ھ میں افریقا کا قاضی بنایا، اس وقت ان کی عمر 24 سال تھی۔ امام مالک کو مدینہ منوّرہ میں جب یہ خبر پہنچی تو بہت خوش ہوئے اور اپنے ساتھیوں کو بتایا۔ تاوفات منصب قضا پر فائز رہے، جو تقریباً 91 سال بنتے ہیں۔اس وقت افریقا کے گورنر ہارون الرشید کی طرف سے ابراہیم بن اغلب تھے، وہ بھی قاضی عبداللہ کی بہت قدر اور تعظیم کیا کرتے تھے۔اُن کی طرف سے اِنھیں مکمل اجازت تھی کہ وہ جب چاہیں بلا اجازت گورنر کے پاس آسکتے ہیں، کوئی محافظ یا سرکاری آدمی ان کو نہیں روک سکتا تھا۔

مظلوموں کی دادرسی: قاضی عبداللہ بن غانم کی عدالت میں ہر ایک کو اپنے مسائل پیش کرنے کا مکمل اختیار تھا، جو چاہتا اپنا مسئلہ لا کر قاضی صاحب کے سامنے رکھ سکتا تھا، کوئی زبانی بات کرنا چاہتا تو کر لیتا، کوئی تحریر پیش کرنا چاہتا تو پرچی لکھ کر آگے بڑھا دیتا۔

ایک دفعہ ایک خچر فروش نے قاضی صاحب کی طرف پرچی بڑھائی، اِس میں اُس نے اپنی ظلم کی داستان لکھی تھی، اور ظالم ایسا شخص تھا جس سے حق لینا تو درکنار اس کا مطالبہ کرنا بھی اس کے بس میں نہیں تھا۔ قاضی صاحب نے اس کو اپنے پاس بلایا، معاملے کی تحقیق فرمائی، مسئلہ یہ تھا کہ افریقا کے گورنر ابراہیم بن اغلب کے خاص آدمی ابوہارون نے اس سے 500 دینار کے خچر خریدے اور کوئی قیمت ادا نہیں کی تھی۔

اس شخص کا مدّعا سنتے ہی قاضی صاحب نے اپنے رجسٹر بند کیے اور فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، مجلس قضا برخاست ہو گئی، قاضی صاحب تیز چال سے چلتے ہوئے سیدھا گورنر ہاؤس جا پہنچے، حفاظتی دستوں کی پوری فوج تھی، لیکن کوئی بھی قاضی صاحب کو نہیں روک سکا، کیوں کہ گورنر صاحب کا یہی حکم تھا، سیدھا گورنر کے خاص کمرے تک جا پہنچے، کمرے کے باہر پہنچ کر ہلکا سا کھنکھارا تاکہ اندر اطلاع ہو جائے، فوراً اندر سے کہا گیا: تشریف لے آئیے۔

گورنر کے پوچھنے پر قاضی صاحب نے سارا معاملہ پیش کر دیا، گورنر نے ابو ہارون کو طلب کیا، اس نے اعتراف کیا اور ادائیگی کے لیے مہلت کا مطالبہ کیا، قاضی صاحب نے فرمایا: ”میں اس وقت تک یہاں سے کھڑا نہیں ہوں گا جب تک کہ تم اسے پوری رقم ادا نہیں کر دو گے۔“ اور پھر اسی وقت ابوہارون نے تمام رقم کی ادا کر دی۔

فیصلوں سے پہلے: کوئی دینی کام ہو یا دنیوی، اس کے کامیاب اور درست ہونے کا ایک مسلمان کے لیے سب سے بڑا سہارا اور سب سے زیادہ اطمینان بخشنے کا ذریعہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مانگ کر اللہ تعالیٰ کی مدد کو اپنے شامل حال کر لے۔ قاضی عبداللہ بن غانم اپنے فیصلوں سے پہلے ان فیصلوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرتے تھے۔ان کا روزانہ رات کا معمول تھا کہ تہجد میں نوافل کے اختتام پر گزشتہ دن کے تمام مسائل جن کے متعلق اگلے روز فیصلے کرنے ہیں، ان سب کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرتے اور پھر یوں دعا فرماتے:

”یا اللہ! فلاں شخص کا فلاں شخص سے یہ جھگڑا ہے، فلاں نے فلاں پر یہ دعویٰ کیا ہے اور اس نے دعویٰ کا انکار کر دیا ہے، میں نے گواہوں کا مطالبہ کیا تو اس نے گواہوں کو پیش کیا جنھوں نے اس کے دعویٰ کے مطابق گواہی دی، پھر میں نے ان گواہوں کے متعلق لوگوں سے پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ یہ گواہ معتبر ہیں، پھر میں نے ان گواہوں کی خفیہ تحقیق وتفتیش کی، تب بھی مجھے یہی اطلاع ملی کہ یہ گواہ معتبر ہیں، چناں چہ اس سب کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ چیز اس دعویدار کا حق ہے، لہٰذا اس کے حق میں فیصلہ کر کے وہ چیز دوسرے سے لے کر اس دعویدار شخص کو دے دوں۔ یا اللہ! اگر میں درست ہوں تو مجھے اس پر جما دیجیے اور پختہ کر دیجیے اور اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے اس سے ہٹا دیجیے، یا اللہ! مجھے (میرے نفس کے حوالے) مت کیجیے اور مجھے (نفس کے شرور) سے بچا لیجیے۔“

قاضی عبداللہؒ نے خواتین کے مسائل سننے اور فیصلوں کے لیے ہفتے میں ایک دن مخصوص کیا ہوا تھا، ویسے تو ان کا عام معمول تھا کہ عمدہ سے عمدہ کپڑے زیب تن فرماتے، لیکن اس دن کھردرے اور پرانے پہنتے اور پورا وقت نظریں بالکل نیچے رکھتے، ایک لمحے کے لیے بھی اوپر نگاہ نہیں اُٹھاتے، یہاں تک کہ اگر کسی کو قاضی صاحب کی عادت کا معلوم نہیں ہوتا تو وہ یقین کر لیتا تھا کہ قاضی صاحب نابینا ہیں۔

سبحان اللہ! راتوں کو نوافل میں اللہ کے آگے کھڑے ہونے والے، رات کے آخری پہر اللہ تعالیٰ سے مناجات کرنے والے، امام مالکؒ کے شاگرد، اپنے وقت کے قاضی اور مضبوط ترین عالم دین، اس زمانے میں قاضی وہی بنایا جاتا تھا، جو کہ دینی علوم میں انتہائی مہارت رکھتا ہو اور شریعت کے اصول وضوابط اور نصوص پر اس کی کامل دسترس ہو۔

غمگسارِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

ندا اختر

حضرت خدیجہ بنت خویلد عام الفیل سے پندرہ برس قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب شرافت کے طالب تو سب ہی تھے، لیکن حقیقت میں دنیا سے شرافت اور انسانیت سب ختم ہو چکی تھی۔ بت پرستی نے دنیا کو توہم پرست بنا دیا تھا، انسان نے فطرت کی ہر چیز درخت، مکڑی، پتھر، سورج، دریا اور پہاڑ کو اپنا معبود سمجھ لیا، بلکہ اب تک انسان اللہ وحدہٗ لاشریک کی عظمت کو فراموش کر کے اپنی حقیقت بھی بھول چکا تھا۔ اس وقت انسانی حقوق کے لیے کوئی ضابطہ و قاعدہ باقی نہ رہا تھا۔ انسان کی نظر میں سب سے حقیر شے انسان ہی تھا۔ یہ بت پرستی کا شجر ہی تھا، جس نے ظلم و ستم، قتل و غارت گری، دختر کشی، شراب نوشی اور غرور و تکبر جیسے ثمر پیدا کیے تھے۔

غرض جہالت اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور اس وقت کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصیٰ کی یہ دختر دنیا کی اہم ترین عورتوں میں بھی اعلیٰ ترین شمار کی جائے گی۔ ”اُم المؤمنین“ کہی جائے گی۔ یہی وہ خاتون ہو گی، جسے پہلی مسلمان خاتون ہونے کا شرف حاصل ہو گا جو ہادیِ برحق کی مددگار اور اسلام کی مددگار و معاون بنے گی اور یہی وہ خوش نصیب، ہستی ہو گی جسے سید البشر کی بے پایاں محبت نصیب ہو گی۔

”حضرت خدیجۃ الکبریٰ“ آپ کا نسب ”قصی“ پر جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے مل جاتا ہے۔ آپؓ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا۔ حضرت خدیجہ ابتدائی عمر سے ہی بڑے پاکیزہ اطوار کی مالک تھیں، مزاج میں نفاست، کلام میں شائستگی اور الفاظ میں صداقت کی بدولت ہی وہ ”طاہرہ“ جیسے لقب سے مشہور ہوئیں۔ اس کے ساتھ ہی ان میں علمی، تجارتی، سیاسی سوجھ بوجھ بھی اپنے وقت کی عورتوں سے بہت زیادہ تھی۔ خویلد بن اسد تجارت کرتے تھے، جس میں وہ باقاعدہ دخیل تھیں، جب تجارتی قافلے تجارت کے لیے روانہ ہوتے یا واپس لوٹتے تو ان کا خاص موضوع وہی ہوتے۔ کس ملک میں کس شے کی ضرورت ہے اور کہاں سے کیا شے آسکتی ہے، یہ وہ معمر تاجروں سے زیادہ جانتی تھیں۔

اس زمانے میں بنو ہاشم کے معزّزین بھی دولت مند نہ ہونے کے سبب بڑے تاجروں کے ساتھ شامل ہو کر ایسے ہی کاروبار کرتے تھے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسی ہی تجارت کر کے اب تک گھر گھر ”امین و صادق“ مشہور ہو چکے تھے اور ہر فرد آنکھیں بند کر کے ان پر اعتبار کر لیتا تھا اور ان سے تعلق جوڑنا چاہتا تھا۔

چوں کہ ابو طالب کے پاس بھی کاروبار کرنے کے لیے سرمایہ نہ تھا، لہٰذا انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قریشی خاتون کے ساتھ مشترکہ کاروبار کرنے کا مشورہ دیا، لیکن حیا حضورؐ کی طبیعت میں اس درجہ تھی کہ وہ چچا کا مشورہ سن کر خاموش ہو گئے اور اس کا کاروبار کرنے کے لیے خود کچھ نہ کہا، لیکن اب تک آپ ﷺ کی زندگی میں کئی بڑے ہی اہم واقعات پیش آچکے تھے۔ تنصیب حجر اسود اور حلف الفضول کے بعد اب آپ ﷺ مکہ کے بڑے تاجروں کے ساتھ معمولی نفع پر کاروبار کا آغاز کر چکے تھے۔ جس کے بعد آپؐ کے اخلاق اور صاف امانت اور صداقت کے چرچے مکہ بھر میں اتنے پھیل چکے تھے اور ان کی ایمان داری، سچائی اور عظمت کا بچہ بچہ اس قدر معترف تھا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خود آرزو کی کہ ایسا ہی انسان کاروبار میں شریک ہو۔ لہٰذا انھوں نے اپنے غلام میسرہ کو خدمت اقدس میں بھیجا اور مشترکہ کاروبار کی پیش کش کی کہ وہ ان کا مال لے کر تجارت کریں تو وہ اپنی عزت افزائی سمجھیں گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیش کش قبول فرمائی اور تجارت کا مال لے کر بصریٰ روانہ ہو گئے۔ اس سفر میں میسرہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ یہ تجارتی سفر پورا کر کے جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا متعجب ہو کر رہ گئیں، کیوں کہ اس برس کا منافع سال ہائے گزشتہ سے بہت زیادہ تھا۔ بعد ازاں میسرہ کی ہی زبانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات و اطوار کے بارے میں جان کر مزید متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس سفر سے واپسی پر کچھ ہی عرصے بعد انھوں نے شادی کا پیغام بھیجا، جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمالیا۔ اگرچہ اس وقت یہ چیز بڑی حیرت انگیز تھی کیوں کہ عرب میں بے شک مرد

کئی کئی شادیاں کرتے تھے۔ مطلّقہ سے بھی اور بیوہ سے بھی، لیکن پہلی شادی کے لیے مطلّقہ یا بیوہ یا معمر خاتون لائق التفات نہیں سمجھی جاتی تھیں، بلکہ سبھی معزّز جوان حسین و خوب صورت دوشیزاؤں کے شیدائی ہوتے تھے اور یہ تو عبداللہ کے انوکھے خوش اخلاق، خوش اطوار، خوش گفتار، خوبرو فرزند اور شیخِ مکہ ابو طالب کے حسنِ سیرت اور حسن صورت میں لاثانی بھتیجے تھے۔

جن کے لیے رشتوں کی کمی نہ تھی، جن کا ہر قبیلہ اور ہر خاندان شیدائی تھا اور یہ بات بھی وہ سب ہی جانتے تھے کہ یہ چالیس سالہ تاجر خاتون پہلے دو نکاح کر چکی ہیں اور تین بچوں کی ماں ہیں، ایسے میں اکثریت کو یقین تھا کہ یہ رشتہ ضرور ٹھکرا دیا جائے گا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی نے ان سب کو حیرت زدہ کر دیا۔

پھر یہ نکاح عمل میں آیا اور اس وقت حضرت ابو طالب، حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور قریش کے چند اور معزّزین کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر تشریف لے گئے۔ ابو طالب نے مروّجہ رواج کے مطابق خطبہ نکاح پڑھایا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ان کے چچا عمرو بن اسد نے اس نکاح کی وکالت کی اور پانچ سو علّاتی درہم مہر کے عوض نکاح ہوا اور عرب کی یہ چالیس سالہ خاتون بنو ہاشم کے پچیس سالہ جوان سے وابستہ ہو گئیں اور ایک نیا گھر بن گیا۔۔۔

گھر!! جہاں سے خاندان معاشرے اور پھر قوم کی ابتدا ہوتی ہے اور یہ گھر وہ تھا، جہاں سے نبوت سے بہت پہلے ہی زندگی کے اعلیٰ ترین اصولوں کی ابتدا ہوئی تھی۔

یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ کوئی بھی شخص اپنی شریک حیات کے تعاون اور مدد کے بغیر اپنا مشن پورا نہیں کر سکتا اور نہ نجی زندگی کو کامیاب بنائے بغیر کوئی بیرونی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ اور یہ تو اس انسان کا گھر تھا، جسے برسوں بعد وہ درس (آخری خطبہ) دینا تھا جو ازل سے ابد تک تمام تر الہامی تعلیمات کا نچوڑ تھا اور اس درس پر انھیں آج ہی سے عمل کرنا تھا، جس کے لیے کسی الھڑ ساتھی کی نہیں بلکہ باوقار اور سنجیدہ کشادہ قلب ساتھی کی ضرورت تھی، گویا کہ یہ فیصلہ ان کا نہیں خود قدرت کا تھا، جو برسوں سے اس حنابندی میں مصروف تھی۔ ایک صادق اور امین کے لیے جس صدق اور سچائی کی ضرورت تھی، وہ صداقت اور امانت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا میں بدرجہ اتم موجود تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی چھ اولادیں پیدا ہوئیں۔ دو بیٹے اور چار بیٹیاں جن کے نام حضرت قاسم، حضرت زینب، حضرت عبداللہ (طیب و طاہر) کے نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت رقیہ، حضرت اُم کلثوم، حضرت فاطمہ اور حضرت ابراہیم۔ ان آخری فرزند (ابراہیم) کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ شادی کے پندرہ برس کے بعد حضور ﷺ منصب نبوت پر فائز کیے گئے تو اس وفا شعار بیوی نے نہ صرف یہ کہ ان کی سب سے پہلی تصدیق کی بلکہ اس دشوار گزار راہ میں ان کی پوری پوری مدد بھی فرمائی۔

چناں چہ جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی اور آپ ایسی حالت میں گھر تشریف لائے کہ آپ پر گھبراہٹ کی کیفیت تھی۔ آپ نے اپنی اہلیہ سے فرمایا زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو، جبرئیل علیہ السلام کو آپ نے پہلی مرتبہ اس شکل میں دیکھا تھا۔ وحی اترنے کا پہلی مرتبہ تجربہ ہوا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر ایک خوف سا طاری تھا۔ ایک ہیبت سی طاری تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ کہ "مجھے تو اپنی جان کا خطرہ ہے۔" ایسے وقت میں آپ کی اہلیہ محترمہ نے آپ کو تسلّی کی باتیں کہیں اور فرمایا: کَلَّا "ہرگز نہیں" اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ "اے محبوب آپ تو صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔" وَتُکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتُقْرِی الضَّیْفَ وَتَحْمِلُ الْکَلَّ وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ "آپ کے چند اچھے اخلاق گنوا کر کہا کہ جب آپ کے اتنے اچھے اخلاق موجود ہیں تو اللہ رب العزت آپ کو کبھی ضائع نہیں فرمائیں گے۔" چناں چہ ان کی باتوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو تسلّی مل جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں سکونِ دل ان کی ذاتِ اقدس سے پہنچا، اس کا تذکرہ وہ ہمیشہ کرتے رہے۔ وہ قوت و حوصلہ جو کسی سے بھی ممکن نہ تھا، ان سے ملا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کرنے والی اور ان کی سچی مشیر کار تھیں۔ ان کے مشورے کے بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ اس سے قبل عرب میں عورت کا کوئی مقام نہ تھا۔ وہ صرف بیوی ہوتی، مگر اللہ کے نبی ﷺ کے حسنِ سلوک نے بتا دیا کہ بیوی صرف ایک عورت ہی نہیں ہوتی، بلکہ غم گسار ساتھی، رازدار اور رازداں اور زندگی کے سفر کی ہر ہر صعوبت میں ساتھ دینے والی ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعریف میں فرماتے تھے۔

"وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں، جب دنیا مجھے جھٹلاتی تھی۔ انھوں نے میری تصدیق اس وقت کی جب دنیا میرا انکار کرتی تھی۔"

ایک بار حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: "آپ انھیں جنت میں ایسے گھر کی بشارت دے دیں، جو موتی کا بنا ہوا ہو گا اور وہاں نہ شور ہو گا، نہ محنت و مشقت۔" اسی طرح ایک بار انھوں نے کہا: "یارسول اللہ (ﷺ)! خدیجہ برتن میں کچھ لا رہی ہیں، ان کو اللہ کا اور میرا اسلام پہنچا دیجیے گا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی انھیں حد درجہ چاہتے تھے۔ ان کی وفات کے مدّتوں بعد بھی جب کوئی جانور ذبح ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عزیز اور دوست خواتین کو گوشت پہنچاتے اور ہمیشہ ان کی تعریف کیا کرتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے جس قدر رشک خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پر آیا کسی اور پر نہیں آیا۔ کیوں کہ جس عزّت و احترام اور محبت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا تذکرہ کرتے تھے، کسی اور کا نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ وہ میری ساتھی اور غم گسار تھیں۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا مکّہ مکرّمہ کے قبرستان "جنّت المعلّی" میں دفن ہیں۔

/perfectairfreshener

Perfect® Matic

Automatic Room Spray
with adjustable Timmer & Sensor

Perfect Matic offer a unique fragrance experience that blends attractive design with motion-sensor technology that allows the unit to spray on desired time selector.

Equipped with motion sensor technology, sprays automatically in 15, 20, or 30 minutes depending on the switch setting. The automatic dispenser is a modern and compact way to freshen your environment without the hassle of personal engagement.

The unit also comes with a boost button that can be press at any time for an extra burst of fragrance. Choose from a variety of quality Perfect fragrances.

With 3000 sprays

Quickly | Quietly | Automatically

مفتی محمد توحید

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مروجہ کمیٹی (بی سی) کا حکم

سوال: مروجہ کمیٹی (بی، سی) کا کیا حکم ہے؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ چند افراد آپس میں یہ معاہدہ طے کرلیتے ہیں کہ ان میں سے ہر شخص ہر مہینے ایک مقرّرہ رقم جمع کرائے گا اور پھر یہی جمع شدہ رقم ان ہی شرکا میں سے ایک شریک کو قرعہ اندازی کے ذریعے بطورِ قرض دے دی جائے گی اور یہی شریک آیندہ اقساط کی شکل میں اس قرض کو لوٹائے گا۔ اسی طرح ماہانہ جمع کی جانے والی رقم باری باری "کمیٹی" میں شریک ہر فرد کو بطورِ قرض دی جاتی ہے۔

جواب: واضح رہے کہ ذکر کردہ تفصیل کے مطابق بی سی قرض کی ایک جائز صورت ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ ایک شخص کو یک مشت بڑی رقم مل جاتی ہے اور اقساط کی شکل میں ادائیگی کی وجہ سے اس قرض کی واپسی میں سہولت ہوتی ہے، اس میں سود یا اضافی رقم کی شرط نہیں لگائی جاتی۔ گویا حاصل اس معاملے کا یہ ہوا کہ ایک شخص بیک وقت کئی اشخاص سے قرض حاصل کررہا ہے اور آیندہ اقساط کی شکل میں وہ اس قرض کو واپس کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

اس میں قرعہ اندازی تعینِ مقروض کے لیے ہوتی ہے، اس لیے کہ بی سی کا معاملہ کرنے والے آپس میں یہ معاہدہ کرلیتے ہیں کہ جمع کردہ رقم شرکا میں سے ہر ایک کو باری باری بطورِ قرض ملے گی۔ اب باری باری قرض دینے کے لیے وہ یہ بھی کرسکتے ہیں کہ بغیر قرعہ اندازی کے سب سے پہلے شرکا میں سے ایک شخص کو قرض دے دیں، پھر دوسرے کو پھر تیسرے اور اسی طرح آخری شخص تک، چنانچہ بسا اوقات بغیر قرعہ اندازی کے باہمی رضامندی سے باریاں طے کرلی جاتی ہیں، لیکن بعض اوقات ہر شخص سب سے پہلے قرض لینے کا خواہش مند ہوتا ہے، اس لیے وہ باہمی رضامندی سے قرعہ اندازی کرتے ہیں اور جس کا نام نکلے، جمع شدہ رقم اسی کو دی جاتی ہے۔ پس قرعہ اندازی کا مقصد مقروض کی اولیت اور ثانویت کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ جہاں کسی معاملے میں ایک سے زائد راستے ہوں تو ایک کے تعین کے لیے قرعہ اندازی کرنا جائز ہے۔

باقی جن فقہی عبارات میں قرعہ اندازی کے قمار ہونے کا ذکر آیا ہے، ان کا تعلق ان مواقع سے ہے جہاں قرعہ میں نکلنے والا شخص ہی بغیر کسی دوسری حجتِ شرعیہ کے مستحق قرار دیا جائے، جبکہ دوسرا شخص باوجود استحقاق میں شریک ہونے کے بالکلیہ محروم ہو جاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مروّجہ "بی سی" یا کمیٹی شرعاً جائز ہے، بشرط یہ کہ جب اس کو سود یا جوئے کا ذریعہ نہ بنایا جائے، جیسا کہ بعض لوگ اس کے ذریعے جُوا کھیلتے ہیں کہ جس کا نام نکل آئے، ساری رقم اس کو مل جاتی ہے اور دوسرے شرکا بالکل محروم ہو جاتے ہیں اور جس کا نام نکل آئے، وہ آیندہ رقم واپس نہیں کرتا، نیز بعض لوگ کمیٹی کو مع سود کے نیلام کے طور پر فروخت کرتے ہیں، جسے "بی سی کی نیلامی" کہتے ہیں۔ لہٰذا ان امور سے بچتے ہوئے بی سی جائز ہے۔ علاوہ ازیں مندرجہ ذیل امور کا بھی لحاظ رکھا جائے:

1. اگر شرکا میں کسی کی موت واقع ہو جائے یا کسی عذر کی وجہ سے کمیٹی کے قسطوں کو رکھنے سے وہ عاجز آجائے تو حساب کتاب کے ذریعے ان کی جمع کردہ پوری رقم میت کے ورثا کو یا شریک کو واپس کرنا ضروری ہے۔
2. ہر شریک کو ہر وقت اپنی جمع کردہ رقم واپس لے کر الگ ہو جانے کا اختیار حاصل ہو، بعض جگہوں پر ایسے موقع پر دی ہوئی اقساط یا اس میں سے کچھ ضبط کی جاتی ہیں جو کہ ناجائز ہے۔

کرسی پر نماز پڑھنے کا حکم

سوال: آج کل مساجد میں کرسیوں پر نماز پڑھنے کا رجحان بڑی تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے، جبکہ دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ ابھی کچھ عرصے سے اس میں بڑی تیزی کے ساتھ اضافہ ہوا ہے کہ لوگ معمولی معمولی اعذار کے بہانے سے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے ہیں، حالاں کہ اس سے پہلے بھی لوگ بیمار ہوتے تھے اور اعذار ان کو بھی لاحق ہوتے تھے، مگر کسی کو کرسی پر نماز پڑھنے کی نہیں سوجھی۔

اکثر دیکھنے میں آیا ہے اور سنا بھی جاتا ہے کہ لوگ اچھے خاصے ٹھیک ٹھاک ہوتے ہیں، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے کی قوت پوری طرح رکھتے ہیں اور اپنے گھروں سے چل کر مسجد آتے ہیں، مگر نماز کے وقت خود ہی کرسی کھینچ کر اس پر نماز پڑھتے ہیں۔

لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ شریعت کی روشنی میں اس کی تفصیلی وضاحت فرمائیں، تاکہ لوگ اپنی نمازیں ضایع کرنے سے محفوظ رہ سکیں۔

جواب: سوال بالا میں جو صورتِ حال بیان کی گئی ہے، وہ اس بات کو سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ لوگوں میں عبادات خصوصاً نماز کے سلسلے میں سستی اور لاپروائی بڑھتی جا رہی ہے۔

اس سے انکار نہیں کہ بعض اللہ کے بندے واقعی عذر اور شدید مجبوری میں کرسیوں کا استعمال کرتے ہیں اور ان کا یہ عذر شرعی و معقول ہوتا ہے اور آج کل قُویٰ کی کمزوریوں اور نئی نئی قسم کی بیماریوں نے اصحابِ اعذار کی بھی بہتات کردی ہے۔

الغرض! ایک جانبِ دین سے غافل اور لاپروا لوگ ہیں جو بلاوجہ و بلاعذر محض تن آسانی و لاپروائی سے غفلت و سستی کی بنا پر یا محض شوقیہ یا فاخرانہ طور پر نماز کے لیے کرسیوں کا استعمال کرنے لگے ہیں تو دوسری جانب ان حضرات کی بھی ایک بڑی تعداد پائی جاتی ہے، جن کے دلوں میں اللہ کا ڈر و خوف اور احکامِ الٰہی کی عظمت وجلالت موجود ہے اور وہ بھی کرسیوں کا استعمال کرتے ہیں، مگر اس وجہ سے کہ وہ واقعی معذور و مجبور ہیں۔

سب سے پہلی بات "کرسی پر بلاعذر نماز کے حکم" کے بارے میں عرض ہے کہ بلاعذر معقول کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا ناجائز ہے اور اس کی کئی وجوہ ہیں:

ایک وجہ یہ ہے کہ نماز میں قیام و رکوع و سجدہ فرائض میں داخل ہیں اور بلاعذر ان میں سے کسی کو چھوڑ دینے سے نماز نہیں ہوتی، جبکہ کرسی پر نماز پڑھنے والا ان تمام فرائض کو چھوڑ دیتا ہے: قیام کی جگہ کرسی پر بیٹھتا ہے اور رکوع و سجدہ دونوں کو چھوڑ کر محض اشارے سے ان کو ادا کرتا ہے تو اس کی نماز کیسے ہوسکتی ہے؟ لہٰذا جو لوگ بلاعذرِ معقول کرسی پر نماز پڑھتے ہیں، وہ اپنی نمازوں کو ضایع کر رہے ہیں۔

دوسرے یہ کہ نماز دراصل اللہ تعالیٰ کی عظیم ہستی کے سامنے بندے کی بندگی، عاجزی و انکساری کا نام ہے اور اللہ کی جلالت کے روبرو خدا کے غلام کی تواضع و فروتنی سے عبارت ہے، جبکہ کرسی پر نماز پڑھنے کی صورت میں یہ مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے، کیوں کہ کرسی پر بیٹھنے کی حالت عموماً اس درجہ کی عاجزی و انکساری کی نہیں ہوتی جو کہ زمین پر عبادت کرنے کی صورت میں ہوتی ہے، نیز عُرفِ عام میں بڑوں کے سامنے کرسی پر بیٹھنا بے ادبی سمجھا جاتا ہے یا کم از کم خلافِ ادب خیال کیا جاتا ہے۔ اب غور کیجیے کہ کیا اللہ عزوجل کے دربارِ عالی شان میں بلاوجہ بقیہ ص 16 پر

شکر گزاری

آسیہ عمران

خلیفۂ ثانی امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمرہ ادا کررہے ہیں۔ طوافِ کعبہ کے دوران ایک بدوی کو دیکھتے ہیں جو ربِّ کعبہ سے ایک عجیب دعا کررہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی دعا سے متعجب ہوتے ہیں۔ بدوی باآواز بلند دعا کررہا ہے۔ ربِّ کعبہ مجھے اپنے قلیل بندوں میں شامل فرما۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ طواف کے بعد اس بدوی سے ملتے ہیں۔ اپنے ساتھ بٹھاتے ہیں اور بصدِ احترام پوچھتے ہیں کہ وہ قلیل لوگ کون ہیں؟ جن میں آپ شامل ہونا چاہتے ہیں۔ بدوی جواباً قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کرتا ہے۔

وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ

میرے بندوں میں سے کم ہی شکر گزار ہوتے ہیں۔

عمرؓ اس کے بے حد شکر گزار ہوتے ہیں۔ شکر گزاری اللہ کے بندوں کو زیب دیتی ہے، مگر کم ہی لوگ اس صفت کو پیدا کر پاتے ہیں۔ شکر گزاری ایک ایسی صفت ہے جس کا اللہ نے اپنے پیغمبروں کو حکم دیا ہے۔ اللہ ربّ العزت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرماتے ہیں۔

”میں نے تمہیں رسالت اور ہم کلامی کا شرف دیا ہے، چن لیا ہے لوگوں پر تمہیں بلندی عطا کی ہے، جو چیزیں میں تمہیں عطا کررہا ہوں، اسے قبول کرو اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔“

اس طرح اللہ ربّ العزت نے نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

”نوح میرا شکر گزار بندہ تھا۔“

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت میں مشغول دیکھتیں کہ آپ کے پاؤں سوج جاتے ہیں۔ ایک دفعہ انھوں نے آپؐ سے پوچھا کہ آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں، جب کہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے ہیں: ”عائشہ! کیا میں اللہ ربُّ العزت کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔“

معلوم ہوتا ہے کہ شکر گزاری انتہائی اہم ترین صفت ہے جو انبیا کی سنت ہے اور اللہ ربُّ العزت کو اپنے بندوں سے مطلوب ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

بَلِ اللَّهَ فَاعْبُدْ وَكُن مِّنَ الشَّاكِرِينَ

”تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے شکر گزار بندوں میں سے ہو جاؤ۔“

نہ صرف یہ صفت اللہ کو اپنے انبیا اور بندوں سے مطلوب ہے بلکہ اللہ ربُّ العزت کی صفت ”الشکور“ ہے، جس کا مطلب ہے تھوڑے عمل پر زیادہ عطا کرنے والا۔ اللہ ربُّ العزت کی اس صفت کو حدیثِ مبارکہ سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ ربُّ العزت قدر دانی کرنے والے ہیں کہ ایک شخص نے راستے سے کانٹے کو ہٹایا۔ راستہ صاف کیا تو اللہ نے اتنی قدر کی کہ اتنے چھوٹے سے عمل کے بدلہ اسے بخش دیا۔ اس طرح ایک شخص نے پیاسی بلی کو پانی پلایا۔ اللہ نے اسے بھی بخش دیا۔

شکر گزاروں سے اللہ ربُّ العزت نے وعدہ فرمایا ہے۔

لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ

یعنی اگر انسان شکر گزاری کا رویہ اپنائے گا تو اللہ ربُّ العزت اس کی نعمتوں کو بڑھائے گا۔ اسے مزید عطا کرے گا اور ناشکری کا رویہ نعمتوں کو کم کردے گا۔ علّامہ ابنِ قیّم رحمۃ اللہ علیہ نے نعمتوں کے بارے میں فرمایا۔ اللہ کی نعمتیں چلتی ہیں، یعنی ایک جگہ نہیں رکتیں۔ ان نعمتوں کو شکر گزاری سے اپنا قیدی بنالو۔ یعنی شکر گزاری کے سبب نعمتیں اپنے پاس مستقل رکھی جاسکتی ہیں۔

اللہ ربُّ العزت نے ہمیں بے بہا نعمتوں سے نوازا ہے، جس کا شمار کرنا ممکن نہیں۔ ان نعمتوں کا احساس صرف اس وقت ہوتا ہے، جب ان میں کوئی ایک نعمت چھین لی جاتی ہے، ورنہ معمول میں ان نعمتوں کو ہم اپنا حق سمجھتے ہیں اور اکثر نفس کے بہکاوے میں آکر ان نعمتوں کو اپنی محنت کا حاصل سمجھتے ہیں۔

شکر گزاری کے لیے ضروری ہے کہ ہم ان لوگوں سے ملیں، جن سے اللہ نے کوئی نعمت واپس لے لی ہو یا ہمیں اس نعمت سے محروم رکھا ہو۔ اس کے لیے اسپتالوں کا دورہ کیا جاسکتا ہے۔ غم زدہ لوگوں کے دکھ سنے جاسکتے ہیں۔ غریبوں کی مدد کرکے ان کے چہروں کی چمک کو بڑھایا جاسکتا ہے۔ اپنے پاس موجود نعمتوں کو ایک ایک کرکے محسوس کیا جاسکتا ہے، اگر آنکھیں نہ ہوتیں تو میں کتنی محروم تھی۔ اگر کان نہ ہوتے تو کیا کچھ تھا جو میرے پاس نہ ہوتا۔ اگر حسّیات نہ ہوتیں، دماغ نہ ہوتا تو میں کہاں ہوتی۔ ہزاروں لوگ میرے ارد گرد بے غرض محبت کے ساتھ ہر مقام پر پائے گئے، یہ نہ ہوتے تو کتنا مشکل ہوتا۔ اولاد ان کے چہرے کی چمک خوشبو نہ ہوتی تو یہ زندگی کتنی ادھوری ہوتی۔ والدین، بہن بھائی دوست احباب نہ ہوتے تو میرے پاس کیا رہ جاتا۔ سب سے پہلے اللہ کی نعمتوں کا احساس کرنا ہوگا اور یہ کہ یہ سب نعمتیں نہ ہوتیں تو کیا میرے پاس اختیار تھا کہ میں ان کو خود سے حاصل کرلیتا؟ یہ شکر کا پہلا قدم ہے۔

شکر کے مختلف درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ زبان سے شکر ادا کیا جائے۔ اس کے لیے الحمد للہ، سبحان اللہ، اللہ اکبر کے الفاظ سکھائے گئے ہیں۔ شکر کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ شکر کا احساس دل سے کیا جائے کہ جو کچھ مجھے ملا، اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ میری کوئی اوقات نہیں، سب اللہ نے اپنی شان سے دیا ہے۔ یہ ساری نعمتیں اللہ کی امانت ہیں۔ وہ انھیں واپس بھی لے سکتا ہے۔

شریعت نے شکر گزاری کے لیے اصول بتایا ہے کہ نعمتوں پر شکر گزاری کے لیے ان لوگوں کو دیکھو جن کو تم سے کم نعمتیں دی گئیں اور اپنے عمل کے لیے اپنے سے اوپر لوگوں کو دیکھو اور مومن کا معاملہ تو ویسے بھی عجیب ہی ہے کہ اس کے لیے ہر لحاظ سے خیر ہی خیر ہے۔ اسے نعمت ملتی ہے، وہ شکر کرتا ہے اور اجر کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اس سے نعمت چھن جائے تو صبر کرتا ہے اور اجر کا حق دار ٹھہرتا ہے۔ شکر کا تیسرا اور سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ جو نعمتیں ملی ہیں، انھیں بانٹنا شروع کردے۔ یہ یقین رہے کہ جتنا بانٹیں گے اللہ کا وعدہ ہے وہ اور دے

گا۔ کہا جاتا ہے کہ تعریف کرنا کسی چیز کے مانگنے کا مہذب انداز ہے۔ ایک نعمت اپنے اندر ہزار نعمتیں لیے ہوتی ہے، مگر ہم اس نعمت کو خود تک محدود رکھتے ہیں۔ باقی نعمتیں دبی رہتی ہیں اور جب بانٹنا شروع کردیں تو کھل کھل کر سامنے آتی ہیں۔

انسان کا شکر گزار ہونا بذاتِ خود بہت بڑی نعمت ہے۔ ناشکری ایک مصیبت ہے کہ رونے دھونے والوں کے مسئلے کبھی ختم نہیں ہوتے۔ ہمیشہ بڑھتے رہتے ہیں۔ شکوے شکایات مسائل کو بڑھا دیتے ہیں۔ یہ منفی سُنڈیاں ہیں، جو انسان کو اندر سے کھا جاتی ہیں۔ سعدی شیرازی کا قول ہے: ”مقامِ شکوہ دراصل مقامِ شکر ہوتا ہے۔“ ایک دفعہ وہ کہیں جارہے تھے۔ پاؤں میں جوتی نہیں تھی۔ کہنے لگے: مالک پاؤں میں جوتی نہیں۔ آگے بڑھے ایک فقیر دیکھا جس کے پاؤں ہی نہ تھے۔ سجدے میں گرپڑے اور کہا: مالک! تیرا شکر ہے، تو نے پاؤں تو دیے۔ انسان کی زندگی میں جتنے تکلیف دہ پہلو ہوتے ہیں۔ درحقیقت وہ اسے بنانے کے لیے ہوتے ہیں۔ وہ سب اس کی کسی بڑی کامیابی کی طرف بڑھا رہے ہوتے ہیں۔ اگر آج زندگی میں مڑ کر دیکھیں تو ہزار ہا لوگوں کی خامیاں جنہوں نے مجھے تکلیف دی۔ وہ میرے درست ہونے کے لیے ضروری تھیں، جو لوگ ایسے میں ناشکری کا رویّہ اپناتے ہیں، اللہ ربُّ العزت ان کو عبرت ناک نشانی بنا دیتا ہے۔

ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص کشتی میں پہلی دفعہ بیٹھا۔ ہر تھوڑی دیر بعد کشتی کے ہچکولے کھانے پر چیخ اٹھتا۔ ان میں سے ایک شخص نے اسے اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا، جب وہ ڈوبنے لگا تو اس نے پانی سے نکال کر کشتی میں ڈالا۔ اب وہ شخص کشتی کے ڈولنے پر خاموشی سے بیٹھا تھا۔ دوسرے لوگوں نے سوال کیا: ”اب یہ خاموش کیوں ہے؟“ ڈبونے والے نے کہا: ”اسے کشتی کی قدر نہیں تھی۔ ڈوبنے سے کشتی کی قدر آگئی ہے۔ اسے کشتی کی اہمیت کا احساس ہوا ہے۔“ ہمارے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ کسی مصیبت کے آنے سے کشتی کی قدر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا شکر گزار بندہ بنالے۔ آمین

بقیہ مسائل پوچھیں اور سیکھیں

کرسی پر بیٹھنا بے ادبی کے زُمرے میں نہیں آتا؟ لہٰذا یہ صورت نماز کی مقصدیت کے خلاف ہونے کی وجہ سے بھی ناجائز ہے۔

تیسرے یہ کہ کرسیوں پر بیٹھ کر عبادت کرنے میں غیروں سے مشابہت پائی جاتی ہے، چناں چہ عیسائیوں میں رواج ہے کہ وہ اپنے چرچوں میں کرسیوں پر عبادت کرتے ہیں اور یہ بات اسلام کی اہم تعلیمات میں سے ہے کہ غیروں کی مشابہت اختیار نہ کی جائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ ان ہی میں سے ہوگا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ ہم میں سے نہیں جو غیروں کی مشابہت اختیار کرے، تم یہود سے مشابہت نہ کرو اور نہ نصاریٰ سے۔۔۔ (ترمذی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اسلام غیروں سے مشابہت اختیار کرنے کے سلسلے میں کس قدر حساس واقع ہوا ہے؟ جب اسلامی شریعت لباس و پوشاک اور بال و کھال تک میں غیروں کی مشابہت کو پسند نہیں کرتا تو نماز جیسی اہم ترین عبادت اور مومن کی زندگی کے بنیادی مقصد کے سلسلے میں یہ کیسے گوارا کرسکتا ہے کہ وہ غیروں کے طور و طریقے کے مطابق انجام دیا جائے؟ لہٰذا بلا عذرِ شرعی بیٹھ کر نماز پڑھنا ناجائز ہے اور اس طرح نماز پڑھنے والوں کی نماز بالکل بھی نہیں ہوتی۔

فقہانے نماز میں قیام (کھڑے ہو کر نماز پڑھنے) کے بارے میں مندرجہ ذیل ہدایات ذکر کی ہیں:

1. اگر کوئی بندہ قیام کے کچھ حصے پر قادر ہو اور مکمل طور پر نماز میں قیام نہ کرسکتا ہو تو وہ جتنی دیر قیام کرسکتا ہے، اس پر اتنی دیر قیام لازم ہے اور بعد میں بیٹھ سکتا ہے، اگر اس نے کچھ دیر قیام پر قدرت کے باوجود قیام نہیں کیا اور شروع ہی سے بیٹھ کر نماز پڑھ لی تو یہ ناجائز ہے۔
2. جو شخص خود تو کھڑا نہیں ہوسکتا، لیکن کسی چیز کا سہارا لے کر کھڑا ہوسکتا ہے تو وہ بھی سہارا لے کر قیام کرے گا۔
3. ایک شخص قیام تو کرسکتا ہے (خود یا کسی کے سہارے سے) مگر اس سے اُسے ناقابلِ برداشت تکلیف ہوتی ہے تو ایسے شخص کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی۔
4. جو شخص مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق قیام نہیں کرسکتا (اور رکوع اور سجدہ کرسکتا ہے) تو وہ کرسی کے بجائے زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھے، خواہ اُسے ٹیک لگا کر بیٹھنا پڑے، اگر اس نے زمین پر بیٹھ کر رکوع اور سجدے کے ساتھ نماز ادا نہیں کی یا زمین پر بیٹھ کر نماز ادا تو کی، مگر اس نے زمین پر سجدہ نہیں کیا، بلکہ صرف اشارہ کیا تو اس صورت میں نماز ادا نہیں ہوگی۔
5. اگر کوئی شخص زمین پر بیٹھ سکتا ہے، لیکن رکوع اور سجدے پر قادر نہیں ہے تو ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ زمین پر بیٹھ کر اشارے کے ساتھ رکوع اور سجدہ کرے، کرسی پر بیٹھ کر ادا نہ کرے۔ اگر اس حالت میں وہ بجائے زمین کے کرسی پر بیٹھ گیا تو نماز تو بہر حال ادا ہو جائے گی، تاہم مذکورہ صورت کراہت سے خالی نہیں ہوگی۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی وجہ سے زمین پر بیٹھ کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو، لیکن کرسی پر بیٹھ کر پڑھ سکتا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

1. ایک شخص کا ایکسیڈنٹ ہوا اور کمر میں راڈ داخل کی گئی، جس کی وجہ سے وہ کرسی پر بیٹھ سکتا ہے، مگر جھک سکتا ہے نہ زمین پر بیٹھ سکتا ہے اور نہ ہی رکوع یا سجدہ کرسکتا ہے
2. ایک شخص اس قدر کم زور ہے کہ اٹھنا بیٹھنا اس کے لیے دشوار ہے، اگر اٹھتا ہے تو ناقابلِ برداشت تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے، لہٰذا وہ کرسی پر بیٹھ کر اپنے کام کاج کرتا ہے اور اسی میں نماز بھی پڑھ لیتا ہے۔
3. ایک شخص کو بہت زیادہ موٹاپے کی وجہ سے زمین پر بیٹھنے میں شدید تکلیف ہوتی ہے، اگرچہ وہ چل سکتا ہے اور قیام بھی کرسکتا ہے، مگر بیٹھ نہیں سکتا، لہٰذا کرسی پر ہی اس کو اپنے تمام دنیوی کام بھی کرنے پڑتے ہیں اور نماز بھی وہ اسی پر پڑھتا ہے۔
4. ایک شخص اس قدر کم زور یا بیمار ہے کہ زمین پر از خود بیٹھ نہیں سکتا اور اگر بیٹھ گیا تو اٹھ نہیں سکتا، بلکہ اس کو اس صورت میں ایک دو آدمیوں سے مدد لینی پڑتی ہے اور بعض دفعہ کوئی ایسا خادم یا اعانت کرنے والا میسر نہیں ہوتا، لہٰذا وہ اس پریشانی کی وجہ سے کرسی پر ہی نماز پڑھ لیتا ہے۔
5. بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جن میں ڈاکٹروں کی ہدایت ہوتی ہے کہ نیچے نہ بیٹھا جائے، ورنہ بیماری کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہے، اس وجہ سے بھی کرسی پر نماز کی ضرورت کسی کو پیش آسکتی ہے۔

ظاہر ہے ان تمام صورتوں میں عذر معقول موجود ہے اور اس کا اعتبار کرنا شرعاً بھی درست ہے، لہٰذا اس قسم کے اصحابِ اعذار کو کرسی پر نماز کی اجازت ہونی چاہیے، کیوں کہ اوپر خود فقہا کے کلام میں یہ ضابطہ ہم نے پڑھ لیا ہے کہ طاعت بقدرِ طاقت ہوا کرتی ہے، جب اس قسم کے اعذار میں نیچے بیٹھ کر نماز کی طاقت نہیں یا نیچے بیٹھنا بڑا مشکل ہے تو کرسی پر بیٹھنے کی اجازت ایک معقول بات بھی ہے اور اصولِ فقہ کی روشنی میں شرعی بات بھی ہے، لیکن اس جگہ وہی دو باتیں ذہن نشین ہونی چاہیے: ایک تو یہ کہ عذر موجود ہو، بلا عذر کرسی پر نماز پڑھنا گناہ بھی ہے اور اس کی وجہ سے نماز ہوتی بھی نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ معمولی اور چھوٹا موٹا عذر نہیں، بلکہ معقول اور شرعاً معتبر عذر ہو، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی یا تو سکت و طاقت تو ہو، مگر اس سے ناقابلِ برداشت تکلیف ہوتی ہو یا زمین پر بیٹھنے سے بیماری و تکلیف کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو۔ اس صورت میں کرسی پر نماز بلا کراہت جائز ہے۔ اجازت کی صورت میں عام اور سادہ کرسی استعمال کرنی چاہیے اور کرسی صف کے ایک کنارے رکھ کر نماز ادا کرنی چاہیے، تاکہ صفوف میں خلل پیدا نہ ہو۔

عمارہ فہیم

اصل مومن کون؟

اللہ رب العزت نے ہمیں نبی آخر الزماں کی امت میں پیدا کیا' مسلمان بنایا' اسلام کی دولت سے نوازا' وہ اسلام جو ایک مکمل ضابطہ حیات اور کامل دین ہے۔ دینِ اسلام زندگی کے ہر پہلو کی رہنمائی کرتا ہے' مگر افسوس! آج ہم یہ بھول گئے کہ مسلمان ہوتا کون ہے' اسلام کیا درس دیتا ہے؟ ہم غلط کو صحیح اور صحیح کو غلط کہنے' سننے' سمجھنے کے عادی ہو چکے ہیں' غیر مسلموں کا طرزِ زندگی' لب ولہجہ' رسم ورواج اپنانے کو برا نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس پر فخر کیا جاتا ہے کہ ہم تو نئے زمانے کے لوگ ہیں۔

ہمیں خود سوچنا چاہیے کہ ہمارے جسم کا کون سا حصہ مسلمان ہے' کیا میرے کان خلاف شرع بات سننے سے باز ہیں؟ کیا میری زبان خلافِ شرع کہنے سے باز ہے؟ کیا میرے ہاتھ سے دوسروں کی جان' مال' عزت آبرو محفوظ ہیں؟ غرض کہ ہمارے جسم کا کون سا عضو ہے' جس کی وجہ سے ہم خود کو مسلمان کہیں' دل ہے تو غیر کی محبت سے بھرا ہوا' ذہن شیطانی خیالات سے اٹا ہوا' آنکھ میلی' زبان گندی' جائز ناجائز کا فرق نہیں تو کیسی مسلمانی!!!

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں

اسلام آفاقی مذہب ہے۔ اس نے اپنے ماننے والوں کی ہر شعبے میں ہمیشہ رہنمائی کی ہے' مگر آج ہمیں یورپ کی تقلید کا شوق چڑھا ہوا ہے۔ آج کا مسلمان انگریزی تہذیب کے رنگ میں سر سے پاؤں تک رنگا ہوا ہے۔

قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ (البقرہ: 802)

"اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ' شیطان کے قدم پر مت چلو' یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

غیروں کی جو رسوم ہمارے معاشرے میں رائج ہوتی جا رہی ہیں' ان میں سے ایک "اپریل فول" ہے' اس میں یکم اپریل کے تحت جھوٹ بول کر کسی کو دھوکا دینا' کسی بھی طرح نقصان پہنچانا نہ صرف جائز بلکہ کمال سمجھا جاتا ہے جو جتنی صفائی' مہارت سے جتنا بڑا دھوکا دے' اسے اتنا ہی ذہین سمجھا جاتا ہے۔

یہ رسم ہر لحاظ سے انتہائی شرمناک اور خلافِ تہذیب ہے' اس رسمِ بد کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تاریخی اور دوسری شرعی۔ پہلے تاریخی حیثیت پر نظر ڈالتے ہیں:

فرانس میں سترہویں صدی عیسوی کے شروع کی نئے سال کی ابتدا جنوری کے بجائے اپریل کی جاتی تھی' اس مہینے کو روما والے مقدّس سمجھا کرتے تھے اور پھر سال کا پہلا دن ہوتا تھا تو اس لیے شور وغل اور ہنسی مذاق ہوتا جو رفتہ رفتہ اپریل فول کی شکل اختیار کر گئی۔

اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مارچ سے موسم میں تبدیلیاں ہونے پر بعض کم عقلوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ رب ہم سے (نعوذ باللہ) مذاق کر رہا ہے' اس لیے لوگوں نے بھی ایک دوسرے کو بے وقوف بنانا شروع کر دیا۔

ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ سالوں پہلے اسپین پر عیسائی افواج نے چڑھائی کی اور فتح حاصل کر لی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا خوب خون بہایا گیا' افواج گشت کرتی رہتی تھیں کہ کوئی بھی مسلمان نظر آئے اسے فوراً قتل کر دیا جائے۔ اس لیے مسلمان وہاں اپنی پہچان چھپا کر رہنے لگے' چالباز حکومت کو یقین تھا کہ سب مسلمان ختم نہیں ہوئے' چناں چہ انھیں سامنے لانے کے لیے مارچ میں اعلان کیا جاتا رہا کہ جو بھی مسلمان یہاں موجود ہیں' وہ خود کو ظاہر کریں' انھیں کچھ نہیں کہا جائے گا بلکہ جہازوں کے ذریعے دوسری سرحد پر چھوڑ دیا جائے گا۔ مسلمانوں کو لگا اب امن ہو گیا ہے اور پہچان ظاہر کرنے پر ہمیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ اس لیے وہ سامنے آنے لگے' تمام مسلمانوں کو جہازوں میں سوار کیا گیا اور بیچ دریا میں جا کر جہاز سمندر میں غرق کر دیے گئے' چناں چہ لاتعداد شہید اور بیش قیمتی علوم کا ذخیرہ ضائع ہوا' اس پر عیسائیوں نے جشن منایا کہ مسلمانوں کو کس طرح بے وقوف بنایا۔

شرعی حیثیت سے یہ عمل کئی گناہوں کا مجموعہ ہے۔ جیسے:

یہود و نصاریٰ کی مشابہت کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفّار کی مشابہت اختیار کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ "جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا' وہ اسی میں سے ہے۔"

ہنسی مزاح کرنے سے شریعت منع نہیں کرتی' لیکن ایسا مذاق جو لایعنی' فضول ہو' اس سے منع فرمایا گیا ہے اور جھوٹے پر تو اللہ کی لعنت فرمائی گئی ہے۔

بعض اوقات ایسے بے ہودہ مذاق زندگیوں کو قربان اور رشتوں کو ختم کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ اس رسمِ بد میں سب سے بڑی برائی اور خرابی جھوٹ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اس بات کی وجہ سے رحمت کا فرشتہ اس سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔"

کفّار سے مشابہت' جھوٹ اور لایعنی ہونے کے ساتھ اس رسمِ بد میں ایک اور برائی پائی جاتی ہے اور وہ ہے دھوکا دہی اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچانا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا (صحیح مسلم)

"جو شخص ہمیں دھوکا دے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔"

اسی طرح آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ (صحیح بخاری)

"مسلمان وہ ہے' جس کے زبان اور ہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے۔"

ان تمام حوالہ جات اور واقعات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے ہم خود سوچیں کیا یہ رسمِ بد جس سے سراسر مسلمانوں اور قیمتی جانوں کا ہی نقصان ہے' کیا اس قابل ہے کہ اسے مسلمان معاشرے میں جگہ دی جائے اور اسے اپنایا جائے؟؟؟

آپ کا دل یقیناً یہ گواہی دے گا' ہرگز نہیں کیوں کہ ایک سچا اور اصلی مومن وہی ہے جو قرآن و سنت پر عمل پیرا ہو اور یہود و نصاریٰ کے رستے سے خود بھی بچے اور دوسروں کو بھی بچائے۔

اللہ رب العزت تمام مسلمانوں کی جان' مال عزت آبرو اور سب سے بڑھ کر ایمان کی حفاظت فرمائے اور ایسی خرافات سے محفوظ فرمائے۔ آمین

روزہ اور صحت

پہلا حصہ

حکیم شمیم احمد

ماہرین کا اتفاق

جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں روزے کے کئی مفید پہلو سامنے آرہے ہیں اور اس سلسلے میں ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ روزے کی بدولت کئی مزمن امراض سے نجات مل جاتی ہے۔ روزہ رکھنے سے انسان ذہنی، جسمانی، روحانی اور جذباتی تندرستی حاصل کرلیتا ہے اور اپنے جسم کے تمام افعال کے توازن کو بحال رکھنے میں کام یاب رہتا ہے۔ انسانی جسم پر روزہ رکھنے کے جو بہتر اثرات ہوتے ہیں، وہ بے شمار ہیں۔ غیر مسلم محققین نے یہ تحقیق کی ہے کہ روزہ رکھنے سے کینسر جیسا موذی مرض دور ہو جاتا ہے۔

روزے سے متعلق احادیث

حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

1. اُغْزُوْا تَغْنَمُوْا وَصُوْمُوْا تَصِحُّوْا وَسَافِرُوْا تَسْتَغْنُوْا۔

(الطبرانی فی الاوسط 9\144 حدیث: 8308، الترغیب والترہیب 2\49)

جہاد کرو مالِ غنیمت حاصل کروگے اور روزہ رکھو صحت مند رہوگے اور سفر کرو دوسروں سے بے نیاز رہوگے۔

2. نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو جو تین وصیتیں فرمائیں، ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ہر ماہ تین روزے رکھے جائیں۔

3. آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم خود ماہِ رمضان کے روزوں کے علاوہ اور ہر ماہ کی قمری تاریخوں (13، 14، 15) کے علاوہ پیر اور جمعرات کے روزوں کا بھی اہتمام فرماتے تھے۔ (مسلم شریف اور نسائی) روزے رکھنے کا تعلق ایمانی قوت اور ذوق و شوق سے ہے۔ بہت سے ضعیف بزرگ ماہِ صیام کا انتظار بے چینی سے کرتے ہیں، کیوں کہ ان کو اس کی فضیلت اور اجر و ثواب کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے جبکہ بہت سے قوی الجثہ نوجوان اس ماہ کے روزے نہیں رکھ پاتے۔

4. حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: مجھے اپنے بندوں میں وہ بندہ زیادہ محبوب ہے، جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرے۔ (بخاری و مسلم)

5. ارشاد گرامی ہے: جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو کھجور سے افطار کرے اور اگر کھجور نہ پائے تو پانی سے افطار کرے، اس لیے کہ پانی کو اللہ تعالیٰ نے طہور بنایا ہے (ابوداؤد)

6. افطاری کے لیے نبی کریم صل اللہ علیہ والہ وسلم ستو بھی پسند فرماتے تھے۔

غیر مسلم اسکالرز کے روزے سے متعلّق نظریات

پاپ ایلف کا نظریہ: یہ ہالینڈ کا بڑا پادری گزرا ہے۔ اس نے روزے کے بارے میں اپنے تجربات کچھ یوں بیان کیے ہیں: میں اپنے پیروکاروں کو ہر ماہ تین روزے رکھنے کی تلقین کرتا ہوں۔ میں نے اس طریقۂ کار کے ذریعے صحت کے ساتھ ساتھ جسمانی ہم آہنگی محسوس کی۔ میرے مریض مسلسل مجھ پر زور دیتے رہے کہ میں انھیں علاج کے لیے کوئی اور طریقہ بتاؤں، لیکن میں نے یہ اصول وضع کر لیا کہ ان میں جو مریض لاعلاج ہے، ان کو تین یوم نہیں بلکہ ایک ماہ تک روزے رکھوائے جائیں۔ میں نے ذیابطیس، دل کے امراض اور معدہ کے امراض میں مبتلا مریضوں کو ایک ماہ روزے رکھوائے، ذیابطیس کے مریضوں کی حالت بہتر ہوئی، ان کی شوگر کنٹرول ہوگئی، دل کے مریضوں کی بے چینی اور سانس کا پھولنا کم ہوا، معدہ کے مریضوں کو سب سے زیادہ فائدہ ہوا۔

روزے کے بارے میں یورپین ماہرین

ماہرین مُسلسل تحقیقات کر رہے ہیں، حتیٰ کے وہ اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ روزہ جہاں جسمانی زندگی کو نئی روح اور توانائی بخشتا ہے، وہاں اس سے بے شمار معاشی پریشانیاں بھی دور ہو جاتی ہیں، چوں کہ جب امراض کم ہوں گے تو ہسپتال بھی کم ہوں گے، ہسپتال کا کم ہونا پُرسکون معاشرے کی علامت ہے۔

- کچھ عرصہ قبل تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ روزہ بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ اس سے نظام ہضم کو آرام ملتا ہے، جیسے جیسے طبّی علوم نے ترقی کی اس حقیقت کا بتدریج علم ہوا کہ روزہ طبّی معجزہ ہے۔

ماؤزے تن: جدید چین کا بانی لیڈر تھا۔ اس کے سامنے چین کے معاشی مسائل تھے۔ اس نے اپنی تقاریر میں اس بات پر زور دیا کہ خود کھانا کھاتے ہوئے اپنے پڑوسی اور دیکھنے والوں کو بھی شامل کرلو، خود بھوکے رہ کر بھوکوں کا احساس پیدا کرو، مزکورہ تعلیمات ماؤزے تن کی نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات تھیں۔

رمضان کے روزے وزن میں کمی کا باعث

رمضان میں روزے رکھنے سے وزن میں نمایاں کمی ہوسکتی ہے' بشرط یہ کہ متوازن سحر اور افطار ہوں' اس کی اصل وجہ جسم کی چربی میں کمی ہو جانا ہے۔ رمضان کے آخری عشرے میں وزن کم ہونے لگتا ہے' کیوں کہ جسم خود کو استحصالی طور پر ڈھالنے کی کوشش میں غذائی اجزا جمع اور محفوظ کرنے لگتا ہے۔ روزے میں باقاعدگی کی وجہ سے جسم چربی زیادہ استعمال کرنے لگتا ہے' اس طرح موٹے اور فربہ لوگ بھی صحت پر روزے کی عمومی برکات کے ذریعے اپنا وزن کم کرسکتے ہیں۔ خون کی چکنائیوں میں اضافہ امراضِ قلب کا اہم سبب ہوتا ہے۔

تحقیق کرنے والوں نے تصدیق کی ہے کہ رمضان کے روزوں سے دل میں کولیسٹرول HDL میں چودہ فیصد کمی واقع ہو جاتی ہے' اس طرح روزے صحت قلب میں اضافے کا سبب بنتے ہیں' بشرط یہ کہ رمضان کی روح کے مطابق غذا میں واقعتاً کمی ہو' یعنی حرارے کم استعمال کیے جائیں۔ جرمنی' انگلینڈ اور امریکا کے ڈاکٹروں کی ٹیم رمضان میں یہ تحقیق کرنے کے لیے آئی کہ اس ماہ میں E.N.T. کان' ناک اور گلے کے امراض کم ہو جاتے ہیں یا نہیں۔ اس تحقیق کے لیے انھوں نے پاکستان کے تین بڑے شہروں کراچی' لاہور اور فیصل آباد کا انتخاب کیا۔ اس سروے کے بعد انھوں نے جو رپورٹ مرتب کی' اس کا خلاصہ یہ ہے "چوں کہ مسلمان نماز پڑھتے ہیں' خاص کر رمضان المبارک میں اس کی زیادہ پابندی کرتے ہیں' اس لیے وضو کرنے سے ENT کے امراض کم ہو جاتے ہیں۔

روزہ، ذہن اور اعصاب

روزے کے دوران اعصابی نظام مکمل سکون کی حالت میں ہوتا ہے' بالخصوص ایسے افراد جو کہ روزے کو اس کے صحیح غرض و غایت کے ساتھ رکھتے ہیں' یعنی محض کھانے پینے کی پابندی کو اپنے اوپر سوار نہیں کیا جائے' بلکہ اس کے دیگر لوازمات' نماز پنج گانہ اور نمازِ تراویح کا خصوصی اہتمام کیا جانا چاہیے' اس کی ادائیگی سے انسان کے ذہن اور اعصاب پر سکون ہو جاتے ہیں۔

نمازِ تراویح سے انسان ذھنی سکون کیوں محسوس کرتا ہے؟ اس سلسلے میں سائنس دان کہتے ہیں کہ جب نمازِ تراویح کی ادائیگی کے لیے کوئی شخص تیاری شروع کرتا ہے تو اسی وقت سے اس کے جسم میں ENDORPHIN ہارمون کی خیزش بڑھ جاتی ہے' جو کہ انسان کو ذھنی سکون مہیا کرتا ہے اور ہونے والے دکھ درد کو بھی برداشت کرنے کی ہمت عطا کرتا ہے بلکہ اس سے چھٹکارا بھی دلاتا ہے۔

نفسیاتی امراض پر روزے کے اثرات

روزے کے فوائد خالص نفسیاتی نوعیت کے عارضوں میں بھی حاصل ہوتے ہیں۔

1. اگر آپ نے کسی دن کھانے میں بداحتیاطی کی ہو تو آپ کو اس بات کا تجربہ ہوگا کہ خواب میں آپ کو پریشان کن چیزیں اور خوف ناک مناظر نظر آتے ہیں' کام کی طرف سے طبیعت اچاٹ ہونے لگتی ہے' چناں چہ یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ روزہ نفسیاتی عوارض کو بھی دور کرتا ہے۔
2. اوہام و افکار' ہیسٹریا' مالیخولیا اور مراق جو بدن کے بعض سوداوی مادوں کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں' ان میں روزہ نہایت مفید ہے۔
3. روزہ بعض امراضِ غدود کو بھی دور کرتا ہے اور صحت بحال ہوتی ہے۔
4. قولون کے مریضوں کو روزے سے بہت فائدہ ہوتا اور الرجک کے بعض امراض میں بھی روزہ مفید ہے۔ وہ دیوانہ پن و خون میں زہریلے مواد مل جانے سے پیدا ہوتا ہے روزے سے دور ہو جاتا ہے۔
5. اگر دماغ کو کوئی صدمہ پہنچے' جس سے اس کے اعمال میں خللِ واقع ہو تو روزہ نہایت ضروری ہے' ایسی حالت میں اس وقت تک روزے رکھے جائیں' جب تک دماغی حالت درست نہ ہو جائے اور حواسِ خمسہ صحیح طور پر کام نہ کرنے لگیں۔

مزاج اور اخلاق پر روزے کے اثرات

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "جو شخص تم میں سے گرہستی کا بوجھ اٹھانے کی ہمت رکھتا ہو' اسے نکاح کر لینا چاہیے' کیوں کہ وہ نگاہ نیچی رکھنے والا اور شرم گاہ کو بچانے والا ہے اور جو شخص طاقت نہ رکھتا ہو' اسے روزہ رکھنا چاہیے' کیوں کہ روزہ اس کے حق میں شہوت کو کم کرنے والا ہوتا ہے۔ (نسائی)

فن لینڈ کے سائنس دان: تجربوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ روزہ سے (L.H) اور (F.S.H) ہارمون کی مقدار گھٹ جاتی ہیں۔ ان ہارمونز کے بڑھ جانے یا کم ہو جانے سے انسان کے سوچنے سمجھنے اور مزاج پر غیر معمولی اثر پڑتا ہے۔ قوّتِ محرکہ کے کم ہونے سے آدمی کی جنسی بھوک کم ہو جاتی ہے اور سوچنے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہیں' جو اس کی اخلاقی' نفسیاتی اور روحانی ترقی کا باعث ہوتی ہے۔

جگر کی تھکن:

روزے کا بطورِ خاص اثر جگر پر ہوتا ہے' کیوں کہ جگر کے کھانا ہضم کرنے کے علاوہ اور بھی بہت سے کام ہیں' یوں جگر تھک جاتا ہے۔ روزے کے ذریعے جگر کو چند گھنٹے آرام مل جاتا ہے۔ جگر کو اگر قوت گویائی دی جاتی تو وہ یہ کہے بغیر نہیں رہتا کہ

"اے انسان! تونے مجھ پر روزے کے ذریعے عظیم احسان کیا۔"

Zaiby Jewellers

SADDAR

Close to Heart

Fashion & Art Jewellery

021-35215455, 35677786 zaiby.jeweller@gmail.com Zaibunnisa Street, Saddar, Karachi

دیوار انا

ام نسیبہ

رات بھر کی موسلا دھار بارش کے بعد صبح سورج کی پہلی کرن عجیب فسوں قائم کر رہی تھی۔ ہر شے دُھلی دُھلی اور نکھری نکھری محسوس ہو رہی تھی' سوائے اس کے دل پر جمی وحشت و یاسیت اور اس کے چہرے پر پھیلی اداسی کے۔ نہ جانے کیوں رات سے اس کا دل بہت گھبرا رہا تھا۔ وہ خود اپنی کیفیت سمجھنے میں ناکام تھی۔

کھڑکی سے آتی تازہ ٹھنڈی ہوائیں اس کے مزاج اور طبیعت کی بے زاری کو کم کرنے میں ناکام رہیں۔ وہ چار ماہ سے اپنے میکے میں تھی۔ روز روز کی کِل کِل اور شور سے طبعیت مکدر ہوئی تو اس نے میکے جانے کی دھمکی دے ڈالی۔

"کل کی جاتی آج چلی جاؤ' میں بھی تنگ آ گیا ہوں تم سے۔"

یہ اس کے ہم سفر اس کی زندگی کے ساتھی نے کہا تھا۔ اس نے حیرت سے حماد کی جانب دیکھا' مگر کچھ بول نہ سکی۔ یہ وہی حماد تھا' جو کبھی اس کے میکے جانے کی دھمکیوں پر ہاتھ جوڑ کر معافیاں مانگتا تھا' جو اس کی ہستی کا ساماں تھا' جو اس کے لیے جینے کی امید اور زندگی کی بہار تھا۔

کتنے ہی لوگوں کی مخالفت مول لے کر اس کے والدین نے حماد کے رشتے کی حامی بھری تھی۔ طیبہ کے خاندان میں ذات برادری سے باہر شادی کا تصور نہ تھا۔ اس کی والدہ نے بڑے جتن کر کے حماد جیسے مناسب رشتے کے لیے اس کے والد کو منایا تھا۔

سب کچھ اچھا چل رہا تھا۔ شادی کو پانچ سال بخیر و خوبی بیت گئے اور وہ دونوں ایک بیٹا اور بیٹی کے ماں باپ بن گئے' پھر اچانک ہی ان کے ستارے گویا گردش میں آ گئے۔ آئے روز کاروبار میں گھاٹے کے باعث حماد کے مزاج میں عجیب سا کھچاؤ پیدا ہو گیا۔ حماد جسے بلند آواز میں بات کرنا بھی گراں گزرتا تھا' اب چیختا چلاتا تھا۔ طیبہ نے حماد کا یہ نیا روپ دیکھا تو اس سے یکسر نالاں ہو گئی۔ آئے روز پیسوں اور اخراجات پر جھگڑے زور پکڑنے لگے تو گویا شیطان لعین کو کھلی چھٹی ہی مل گئی۔

"کل کی جاتی آج چلی جاؤ۔ میں بھی تنگ آ گیا ہوں تم سے۔"

الفاظ نہیں انگارے تھے جو طیبہ پر برسے تھے۔ طیبہ نے شکوہ کناں نظروں سے حماد کی جانب دیکھا اور سامان باندھنے لگی۔

◆◆◆

"خبردار!!! بچوں کو اپنے ساتھ لے جانے کا سوچنا بھی مت۔ جانا ہے تو اکیلی جاؤ گی۔" حماد نے طیبہ کو بچوں کا سامان بیگ میں ڈالتے دیکھا تو دھاڑا۔ بالآخر طیبہ اکیلی میکے آ گئی۔

اس دوران بڑوں کی مفاہمت کی تمام کوششیں بے کار گئیں۔ حماد کا مطالبہ تھا کہ طیبہ جس طرح خود گئی ہے گھر سے' اسی طرح واپس آ جائے' جب کہ طیبہ کی ضد تھی کہ حماد اسے لینے آئے اور منا کر لے جائے۔

ضد اور انا کے بیچ محبت کا حائل ہونا' ممکن نہیں رہتا۔ برسوں کا ساتھ' سفر میں ساتھ نبھانے کے عہد و پیماں' زندگی کے خوش گوار لمحات اور سنگ بتائے وہ حسین پل۔۔۔ سب کچھ کہیں بہت پیچھے چلا گیا تھا۔ دونوں طرف ایک سرد جنگ چھڑی ہوئی تھی' جس میں محبت بار ہا ناکام ہوتی چلی جا رہی تھی۔ دونوں میں سے کوئی بھی جھکنے کو یا پہل کرنے کو تیار نہ تھا۔

طیبہ نے عدالت میں خلع اور بچوں کے حصول کے لیے کیس دائر کر دیا۔ ہر ماہ ایک اذیت سے دوچار ہونا پڑتا' بچے ماں کو دیکھ کر ماں کی طرف لپکتے اور واپسی میں حیران حیران سے باپ کے ساتھ چلے جاتے۔ ہر ماہ پیشیوں پر پیشیاں فریقین کے دلوں میں دوریوں اور کدورتوں کے بیج بو رہی تھیں۔

◆◆◆

امی کی آواز پر اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹا جو اسے ناشتے پر بلا رہی تھیں۔

"آج آخری پیشی ہے' بقول وکیل کے کہ آج انس کے ابو خلع کے کاغذات پر دستخط کرنے آئیں گے۔ امید ہے بچے بھی مل جائیں گے مجھے۔"

اس نے ناشتے کی میز پر بیٹھتے ہوئے آہستہ سے کہا تو ناشتا کرتے تینوں نفوس کے ہاتھ رُک گئے۔ ابو نے ناراضی سے امی کی جانب دیکھا اور ناشتا چھوڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"ابو کو کیا ہوا؟" طیبہ نے امی اور بھائی کی جانب دیکھ کر پوچھا۔

میز پر ناشتا رکھتی بھابھی نے اسے اچھنبے سے دیکھا اور منہ بنا کر کمرے میں چلی گئیں۔

"طیبہ! اتنا بڑا فیصلہ یوں جلدی میں کرنا حماقت ہے سراسر۔۔۔"

اس کے بڑے بھائی بولے۔ "نہیں بھائی! میں فیصلہ کر چکی ہوں۔ انس کے ابو کا مزاج بہت عجیب ہو گیا ہے۔ ان سے بعید نہیں کہ مجھ پر ہاتھ ہی اٹھانا شروع کر دیں۔" طیبہ نے جلدی سے کہا۔

"اور بچوں کو بھی فی الحال باپ کے پاس ہی رہنے دو' نہیں سنبھال پائے گا تو لے جائے گا تمہیں خود ہی۔" بھائی بولے۔

"چار ماہ سے تو سنبھال ہی رہے ہیں۔ دن بھر دادی کے گھر میں خوش رہتے ہیں بچے۔ رات میں واپسی پر ابو کے ساتھ اپنے گھر آ جاتے ہیں۔"

طیبہ نے کہا۔

"بچے خوش ہیں تو تمہیں کیا مسئلہ ہے۔ رہنے دو انھیں وہیں۔" بھائی بولے اور چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہمم تو یہ مسئلہ ہے۔ میرے بچوں کو نہیں برداشت کیا جائے گا یہاں۔"

طیبہ نے بے بسی سے امی کی طرف دیکھا۔

"بیٹا! ایسی بات نہیں۔ حارث اکیلا کمانے والا ہے' اس کے اپنے تین بچے اور پھر تمہارے دو۔ کیسے ہو گا سب۔" امی نے گویا گتھی ہی سلجھا دی۔

"اوہ۔۔۔!!! میں زیادہ دن بوجھ نہیں بنوں گی امی۔ پڑھی لکھی ہوں' جلد ہی کوئی نوکری مل جائے گی مجھے۔" طیبہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے ناشتا تو کرو طیبہ!" امی نے پکارا۔ "امی بھوک نہیں مجھے۔" طیبہ نے کہا اور جانے کی تیاری کرنے لگی۔

آج غصے میں اس نے ابو کو بھی ساتھ چلنے کا نہیں کہا اور گھر سے نکل گئی۔ اسٹاپ پر پہنچ کر رکشے والے سے کرایہ طے کیا اور کورٹ روانہ ہو گئی۔ وکیل سے ملاقات پر معلوم ہوا کہ حماد کا ابھی فون آیا ہے کہ وہ آج کورٹ نہیں آسکیں گے، کیوں کہ رات اس کا بیٹا گر گیا تھا اور بچے کو چوٹیں آئی ہیں۔

"کیا۔۔۔!!! مگر کیسے؟" طیبہ روہانسی ہو گئی۔ "بی بی یہ تو مجھے معلوم نہیں۔" وکیل نے جواب دیا۔

کئی ماہ بعد وہ آج حماد کا نمبر کانپتے ہاتھوں سے ملا رہی تھی۔ دوسری بیل پر ہی فون اٹھا لیا گیا۔

"میرا بچہ۔۔۔ میرا انس کہاں ہے؟ کیا ہوا اسے؟ وہ ٹھیک ہے نا؟"

طیبہ نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

"آ گیا خیال بچوں کا؟" دوسری طرف سے طنزیہ لہجے میں پوچھا گیا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ میں ماں ہوں۔" طیبہ رو دینے کو تھی۔

"ماں ہو، جبھی اتنے ماہ سے بچوں سے الگ ہو۔" لہجہ ہنوز طنزیہ تھا۔

◆◆◆

"میں بحث کے موڈ میں نہیں آپ اس وقت کہاں ہیں؟" طیبہ بے قراری سے بولی۔

"گھر پر ہوں۔" حماد کی پوری بات سنے بغیر طیبہ نے کال کاٹ دی اور دیوانہ وار باہر کو لپکی۔ انا کی دیوار میں دراڑ پڑ چکی تھی۔

دروازہ حماد نے ہی کھولا، طیبہ آناً فاناً اندر داخل ہوئی۔ بے ترتیب اجڑا اجڑا گھر، ہر شے گویا نوحہ کناں تھیں۔ اسے سچ مچ لگا کہ اس کا آشیانہ بکھرنے کو ہے۔ یہ وہی چھوٹا سا فلیٹ تھا، جس کے کونے کونے کو اس نے اپنے ہاتھوں سے سجایا تھا۔ دونوں بچے بیڈ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انس کے سر اور ہاتھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ طیبہ کے دل کو کچھ ہوا۔ چار سالہ انس اور ڈھائی سالہ عنایہ ماں کو دیکھ کر ماما ماما پکارنے لگے۔ "کیا ہوا ہے اسے؟" طیبہ نے حماد سے پوچھا۔

"کل رات باتھ روم میں گر گیا تھا۔" حماد نے کہا۔

"مگر کیسے؟ آپ ساتھ نہیں تھے؟" طیبہ تڑپ اٹھی۔

"ایک عدد بچی بھی ہے، جو رو رہی تھی۔ انس کو دیکھتا یا عنایہ کو۔ ایک وقت میں دونوں "ہینڈل" نہیں ہو پا رہے تھے۔" حماد کی زبان سے سچ پھسل ہی گیا۔ انا کی دیوار میں شگاف واضح دکھائی دیا۔

"ماما آپ آ گئیں۔ اب مت جائیے گا مجھے چھوڑ کے۔" انس بولا۔

ننھی عنایہ تو ماں کے گلے لگ کر رونا ہی شروع ہو گئی۔ اس نے حیرت سے عنایہ کو دیکھا۔ "کیا ہوا میری جان!"

"ماما!! عنایہ رات میں بھی روتی ہے، کہتی ہے ماما پاس جانا ہے اور بابا کے ہاتھ سے فیڈر بھی نہیں پیتی۔" انس معصومیت سے بولا۔ "گویا ماں کو روکنا چاہتا ہو۔ بچوں اور گھر کی حالت سے طیبہ کا دل پسیج گیا اور وہ بچوں کو ساتھ لگائے زور زور سے رونے لگی۔ انا کی دیوار لرزی تھی۔

"اب رو کیوں رہی ہو؟ سنگل پیرنٹ کے بچے ایسے ہی پلتے ہیں۔ ایسی ہی چوٹیں لگتی ہیں انھیں۔" حماد بولا۔ "اللہ نہ کرے انھیں کبھی چوٹیں لگیں۔" طیبہ تڑپ کر بولی۔

انس نے طیبہ کا دوپٹا زور سے پکڑا ہوا تھا۔ گویا اسے ڈر ہو کہ وہ چلی جائے گی۔ "عنایہ ماما پاس سونا۔" ننھی عنایہ توتلاتے ہوئے بولی تو معصوم سی آنکھوں میں کئی سوالات تھے۔

طیبہ اپنے معصوم بچوں کی سوالیہ نظروں کی تاب لانے سے قاصر تھی۔ انا کی دیوار اب جگہ جگہ سے چٹخ رہی تھی۔

"ان معصوموں پر رحم نہیں آ رہا؟" حماد اس کے قریب آ بیٹھا۔

"آپ۔۔۔!!!" طیبہ سے آنسوؤں کی برسات میں کچھ بولا ہی نہ گیا۔

"اچھا رومت۔ ہمارے ایک استاد کہتے تھے جب عورت رو دے تو مرد کو سارا قضیہ سمیٹ دینا چاہیے، کیوں کہ وہ خدا سے زیادہ طاقت ور نہیں ہے جو مکھی کے سر کے برابر آنسو سے سات سمندر کے جھاگ جتنے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔" حماد نے بے اختیار کہا اور اس کے آنسو صاف کر دیے۔

دونوں بچوں کے پھول جیسے چہروں سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔

"ماما لڑائی تو بری بات ہوتی ہے نا۔۔۔ آپ دونوں دوستی کر لیں اور کان پکڑ کر سوری کر لیں۔" انس معصومیت سے بولا تو حماد نے بھی تائید اً سر ہلایا اور شرارت سے طیبہ کے کان پکڑ لیے۔

"ہٹیں۔۔۔ بہت برے ہیں آپ۔" انا کی دیوار ریزہ ریزہ ہو گئی۔

طیبہ نے حماد کو پرے دھکیلا تو دونوں بچے زور زور سے ہنسنے لگے اور طیبہ کو لگا کہ کائنات کی ہر شے مسکرا رہی ہو۔

ام ایمن

ماہِ شعبان

قرآن و سنت کی دوری کے نتیجے میں اس ہمارے معاشرے میں بطورِ عبادت ایسے اعمال کیے جا رہے ہیں، جن کی کوئی دلیل نہ ہی قرآن و سنت اور نہ ہی صحابہ کرام کی زندگیوں میں ملتی ہے۔ ایسے ہی اعمال میں شعبان میں کیے جانے والے کئی کام شامل ہیں۔ پندرہ شعبان کی رات کی فضیلت احادیث میں ضرور موجود ہے، لیکن اس میں کرنے کا کوئی کام نہیں بتایا گیا۔ آتش بازی، چراغاں وغیرہ جیسے اعمال کا تو کوئی وجود تک نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ماہِ شعبان میں روزے رکھنے کا عمل ثابت ہے۔ اسامہ بن زیدؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں آپ کو رمضان المبارک کے بعد کسی اور مہینے میں اتنے روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھتا، جتنا آپ شعبان میں رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: رجب اور رمضان کے درمیان یہ (شعبان) ایسا مہینا ہے، جس کی فضیلت سے اکثر لوگ غافل ہیں جب کہ یہ ایسا مہینا ہے، جس میں اعمال اللہ کے حضور پیش کیے جاتے ہیں۔ اسی لیے میں اس مہینے میں کثرت سے روزے رکھتا ہوں کہ میری یہ خواہش ہے کہ جب اس مہینے میں اللہ کے حضور میرا نامۂ اعمال پیش ہو تو میں روزے کی حالت میں ہوں۔

شعبان کی پندرہویں رات کو شبِ برات کا جو نام دیا جاتا ہے، وہ کسی ضعیف حدیث میں بھی نہیں ملتا۔ دوسری طرف اس کا مطلب بھی کسی لحاظ سے مطابقت نہیں رکھتا۔ برات کا مطلب ہے "نفرت کا اظہار کرنا" جیسا کہ قرآن میں مشرکین کے بارے میں ہے "بَرَاءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" اگر یہ رات شریعت میں کچھ خاص اعمال کرنے کے لیے ہوتی تو نبی محترم ﷺ ضرور اس کا کوئی نام بھی تجویز فرماتے اور اس کی برکات سمیٹنے کے طریقے بھی بتاتے۔

شبِ برات کی فضیلت بیان کرنے والے جن آیات کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ وہ آیات شبِ قدر سے متعلق ہیں۔ لیلۃ مبارکہ کا لفظ قرآن کریم میں شبِ قدر کے لیے ہی استعمال ہوا ہے۔ پندرہویں شعبان کے اعمال بیان کرنے والوں نے ان اعمال کی اہمیت میں انتہائی غلو سے کام لیا ہے۔

شعبان کے مہینے کی اہمیت اس لحاظ سے ہے کہ یہ مہینا رمضان سے مقدم ہے۔ رمضان کے لیے تیاری کرنے کا مہینا ہے۔ اس میں روزے رکھنے کا ثواب اور اجر ہے، لیکن اگر کسی کو خدشہ ہو کہ وہ رمضان میں کم زوری کی بنا پر روزے نہ رکھ پائے گا تو وہ اس مہینے میں روزے نہ رکھے۔ یہ مہینا رمضان کے آنے کا الارم ہے کہ ایک مقدّس مہینا آنے کو ہے۔ اللہ رب العزت ہم سب کو اس مہینے میں رمضان کے لیے کمر کسنے والا بنائے۔ آمین

آپی نامہ

آنمہ بخاری

"آج سو سو کر تھک گئی ہوں میں۔" اریبہ نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"قرآن پاک کی تلاوت کر لو' ساری تھکاوٹ ایسے دور ہو جائے گی۔" ارشمہ نے چٹکی بجاتے ہوئے مشورہ دیا۔ اریبہ اور ارشمہ چچازاد تھیں۔ ارشمہ آج اس کے گھر آئی ہوئی تھی۔

"نہیں ارشی! چلو ٹی وی دیکھتے ہیں۔" اریبہ نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا۔ "نہیں میں نے ٹی وی دیکھنا چھوڑ دیا ہے۔" ارشمہ نے بتایا تو اریبہ چونکی۔ "ہاائیں! بالکل ہی چھوڑ دیا؟"

"جی الحمدللہ۔۔۔ بالکل چھوڑ دیا۔" ارشمہ نے جواب دیا۔ "لیکن کیوں؟ بندہ کچھ دیر ڈراما تو دیکھ ہی سکتا ہے نا۔" اس نے پھر سے کوشش کی۔

"ایک بار آپی جان کو پتا چلا کہ میں ٹی وی دیکھتی ہوں تو انھیں بہت برا لگا۔ میں نے ان سے کہا تھا: "بس تھوڑی دیر دیکھتی ہوں" تو انھوں نے بہت ہی زبردست بات کہی کہ "زہر کم ہو یا زیادہ' زہر ہی ہوتا ہے۔"

"اففففففف! ایک تو یہ تمہارا آپی نامہ ختم نہیں ہوتا۔" اریبہ کو آج ارشمہ پر بے حد غصہ آیا تھا اور اس کی آپی پر بھی کہ انھوں نے اریبہ کی نٹ کھٹ سی کزن کو ایک دم سڑیل بنا دیا تھا۔

" تمہاری آپی وہی لطافت آپی ہیں نا! جو آن لائن کورس کرواتی ہیں' زبردست بھئی زبردست' وہ خود انٹرنیٹ استعمال کرتی ہیں اور تمہارا ٹی وی دیکھنا انھیں پسند نہیں۔"

◆◆◆

"ارشی! میں بہت پریشان ہوں۔ نماز میں دل لگتا ہے نہ ہی میری دعا قبول ہوتی ہے۔" اریبہ روہانسی ہو رہی تھی۔ "اللہ سب کی دعا سنتا ہے' بس وہ اپنے صحیح وقت پر قبول ہوتی ہیں۔" ارشمہ نے جواب دیا۔ اور "دعائیں قبول ہونے کے لیے اپنی آنکھوں اور کانوں کو حرام سے بچانا پڑتا ہے پیاری اریبہ! جب ہم اللہ کی نہیں مانتے تو پھر یہ شکوہ کیسا کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوتی؟"

"کہتی تو تم ٹھیک ہی ہو' میں کوشش کروں گی تمہاری باتوں پر عمل کرنے کی؟" اریبہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا تو ارشمہ کا دل بے حد خوش ہو گیا۔ "اچھا تو پھر دعا کے آداب بھی سیکھ لو۔" ارشمہ نے کہا تو اریبہ مسکرا دی اور کہنے لگی: "تمہاااری آپی جان کیا فرماتی ہیں اس بارے میں؟"

"آپی جان نے بتایا تھا: "ہم دعا کو دعا کی طرح نہیں مانگتے' اس کے آداب و رعایت کا خیال نہیں کرتے' سچ تو یہ ہے کہ ہم دعا نہیں مانگتے' بلکہ اپنے ذہن میں پہلے سے تیار شدہ لسٹ اللہ رب العزت کو سنا دیتے ہیں کہ اللہ یہ دے دے' وہ دے دے' لسٹ سنا کر منہ پر ہاتھ پھیرے اور یہ جا وہ جا۔"

"واقعی سچ ہے' میں تقریباً ایسا ہی کرتی ہوں۔" اریبہ نے شرمندہ نظروں سے اعتراف کیا۔

اچھا ذرا خاموشی سے مکمل بات سن لو ارشمہ نے کہا تو اریبہ نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی۔

"اپنے ذہن کو تمام فضول خیالات سے خالی کر کے ربِّ جلیل کے سامنے ہاتھ اٹھانا چاہیے' پہلے اس کی بڑائی و برتری کا اظہار کریں' دینِ اسلام پر پیدا کرنے اور امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھیجنے پر شکر ادا کریں۔ رسول اللہ ﷺ پر پوری محبت سے درود بھیجیں۔ اپنے گناہوں کی معافی مانگیں' توبہ کریں اور پھر اپنے مطلوب کے لیے دعا مانگنا شروع کریں۔ ایسے مانگنا چاہیے منگتوں کی شکل بنا کر۔ خوب عاجزی سے روتے ہوئے۔ اس طرح مانگنے سے اصل چیز نہ بھی ملے تو سکون و سرور مل جاتا ہے' روحانی ترقی نصیب ہونے لگتی ہے۔ اللہ سے تعلق مضبوط ہونے اور اس کا قرب حاصل ہونے لگتا ہے۔

یہ جو ہم اکثر سنتے ہیں نا۔۔۔ کہ دعا دل سے مانگنی چاہیے' دل سے مانگنا یہی ہے کہ پورا بدن سراپا دعا بن جائے۔ جب اللہ سے باتیں کرنا' ان کو دکھڑے سنانا' ان کو اپنی تکلیفیں سنا سنا کر مچل مچل کر مانگنا چاہیے۔"

ارشمہ نے آپی جان کے انداز میں جب اتنا سب کچھ بتایا تو اریبہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"ماشاءاللہ۔۔۔ کتنی خوب صورت باتیں کرتی ہیں تمہاری آپی جان۔ میں ان شاءاللہ! اب ایسے ہی دعا مانگوں گی۔" وہ سانس روکے توجہ سے اس کی سن رہی تھی اور اب ان پر عمل کرنے کا ارادہ کر رہی تھی۔

"السلام علیکم پیاری ارشمہ!" اریبہ نے محبت سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"وعلیکم السلام! واہ جی واہ' لوگ آج انسان لگ رہے ہیں۔"

ارشمہ نے شوخ لہجے میں کہا کیوں کہ آج اریبہ بہت خوش اور مطمئن نظر آ رہی تھی۔

"الحمدللہ! اب میں انسان ہی بنی رہوں گی کرشی جامِ شیریں۔"

اریبہ نے جوابی وار کیا۔

"ہئے ےےے' جامِ شیریں میٹھی ہوتی ہے بھئی۔" ارشمہ نے شرماتے ہوئے کہا تو اریبہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا اچھا میٹھی کریلی۔۔۔ زیادہ خوش مت ہو۔ آپی جان بالکل ٹھیک کہتی ہیں' دعا کو دعا کی طرح مانگا جائے تو قبول ہوتی ہے اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ حرام سے بچ کر ہی ہماری دعائیں اللہ سے قبولیت کا درجہ پا سکتی ہیں۔"

اریبہ نے اقرار کیا' لیکن ارشمہ کی سوئی "آپی جان" پر اٹک گئی۔

"آج تم نے "تمہاری آپی جان" کیوں نہیں کہا؟" اس نے ماتھے پر بل ڈال کر سوال کیا۔

"کیوں اب وہ صرف تمہاری نہیں' وہ میری بھی آپی جان ہیں' میں بھی ان سے پڑھوں گی۔" اریبہ نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

"اوئے محترمہ! شوق سے پڑھیے' لیکن خواہ مخواہ رشتے بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تمہاری معلّمہ ہوں گی بس!"

ارشمہ نے ہاتھ اٹھا کر مانو کی بات ہی ختم کر دی۔

"تم ہمیشہ سڑتی اور لڑتی رہا کرو لڑاکا طیارہ۔"

اریبہ پہلے ہونقوں کی طرح اسے تکتی رہی اور پھر "لڑاکا طیارہ" کا خطاب دے ڈالا۔

"لڑاکا طیارہ ہہہہہہہہہ!!"

وہ ہنسی تو اریبہ کو اس کی عقل پر شبہ ہوا۔

"اے لو! اس کو دورہ پڑ گیا اب۔" اریبہ نے تنگ ہو کر کہا۔

"آپی جان سے بھی لڑوں تو وہ بھی لڑاکا طیارہ' لڑاکی بلی یا نمونی کہتی ہیں۔"

ارشمہ نے ہنسی روک کر بتانا شروع کیا تو اریبہ نے اپنا سر تھام لیا۔

"پھر سے آپی نامہ شروع۔۔۔"

دو سائے

بنت محمد رفیق

"یہ سمندر بس پانی کی بہتات نہیں، بلکہ یہ تو قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔"

شامی نہ صرف ساحلِ سمندر کے قریب ہو رہا تھا، بلکہ اپنے ساتھ چلتی مریم کو اپنے خیالات سے بھی آگاہ کر رہا تھا۔۔۔

شادی سے پہلے تو مریم کو یہ سب فلسفہ لگتا تھا، لیکن مجازی خدا دل فریب لفظوں کا احاطہ اپنے اور اس کے گرد بچھاتے کہ لفظ حقیقت بیانی کرتے ہوئے ماحول کو پُر مسرّت سا کر دیتے تھے۔

آج بھی تازہ ہوا کی غرض سے شامی اپنی شریکِ حیات کو ساحلِ سمندر کی طرف لے آیا تھا۔ ساحل کے کناروں کو مریم کے پیروں نے ابھی ٹھیک سے چھوا بھی نہیں تھا اور شامی نے قدرت کی نشانیوں کو باور کرنا شروع کر دیا تھا۔

"ہمممم۔۔۔ بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔" مریم نے شامی کی تائید کی تھی۔

اسی فرماں بردای نے شامی کو گویا حکام بالا سے اسپیکر میں بولنے کی اجازت مل گئی تھی۔

شامی نے بولنا شروع کیا۔

"کبھی تم نے غور کیا ربّ کائنات کی ملکیت یہ سمندر اپنی حد کو توڑتا ہوا، کنارے کو چھوتا ہوا اس دنیا کو اپنی موجوں میں کیوں نہیں لپیٹتا۔۔۔؟" شامی نے سمندر کو دیکھتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی اس نے پیچھے رخ کرتے ایک نظر دھند میں دور سے نظر آتے بستی کے گھروں کی چھت پر نظر ڈالی تھی۔

"مریم! یہ تو بس اپنی موجوں میں موجیں مارتا ہوا، ٹھاٹھیں مارتا ہوا شور لیے اپنی ہی دھن میں مگن ہے۔" اسے چپ دیکھ کر شامی نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیا تھا۔ دونوں ٹہلتے ہوئے نم ریت پر چلتے گئے۔

شامی مسلسل اپنے خیالات سے مریم کو روشناس کروا رہا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے سنے جا رہی تھی۔ ہلکی ٹھنڈی ہوا سے ان کے لباس پھڑ پھڑا رہے تھے۔

موجیں مارتے سمندر کی بڑی لہروں نے دونوں کے ساتھ اٹھکھیلیاں شروع کر دیں۔ وہ پلٹ پلٹ کر آتیں اور ان کے پیروں سے لپٹ لپٹ جاتیں۔

"سبحان اللہ!" شامی کے منہ سے بے اختیار نکلا تو مریم نے بھی شامی کے آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پُر مسرّت ہو کر الحمد للہ کے الفاظ ادا کیے۔ شامی مریم کے اس کلمے پر مسکرا دیا تھا۔ وہ جانتا تھا، ایسے موقع پر مریم کے الحمد للہ کہنے کی تشریح یہی ہے کہ آپ کے ساتھ سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں ہے۔

"مریم! پتا ہے اللہ ہمارا حاکم جو ہے نا وہ ایک بہت زبردست قانون رکھنے والا ہے۔"

شامی نے مریم سے تھوڑا قریب ہوتے ہوئے دوبارہ گفتگو شروع کی۔ "آؤ! تمہیں اس کے قانون کی ایک جھلک دکھاؤں۔"

شامی کو جیسے یک دم کوئی خیال آوارد ہوا تھا اور وہ لمحے کی تاخیر کیے بغیر مریم کا ہاتھ پکڑ کر کچھ قدم کنارے سے آگے پانی کی طرف چل دیا تھا۔

مریم بھی بے ساختہ شامی کے ساتھ سائے کی طرح چل پڑی تھی۔

چند ہی قدم ساحل سے کوچ کر کے وہ دونوں سمندر کی گود میں آ گئے تھے۔ اب دونوں آدھا وجود پانی میں لیے کھڑے تھے۔

"دیکھو مریم!" پانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شامی نے مریم کو گویا حکم صادر کیا تھا۔

مریم نے یکایک چونک کر پہلی نظر شامی پر ڈالی اور دوسری کو سمندر کی نذر کیا تھا۔ بغور دیکھنے کے باوجود مریم کچھ نہ سمجھ سکی تھی۔

شامی مریم کو بھانپ گیا تھا کہ وہ سمجھ نہیں پا رہی۔ ابھی مریم یہ سوچ ہی رہی تھی کہ وہ مزید غور کرے یا نہ سمجھنے کا اعتراف کرے۔ شامی نے کہنا شروع کیا۔۔۔ "سُنیے! اہلیہ محمد شامی۔"

مریم انداز تخاطب پر بے اختیار مسکرا کر رہ گئی۔ "جی سرتاج فرمائیے۔۔۔!" مریم نے بھی شامی کے ہاتھ کی انگلیوں میں اپنی انگلیوں کو قید کرتے ہوئے گویا خود کو ہمہ تن گوش کر لیا تھا۔

"یہ جو دو سائے ہیں، یہ کس تہ پے ہیں؟" مریم محوِ حیرت سے پانی پر ڈولتے ہوئے دو سائیوں کو دیکھتی رہ گئی جو ان دونوں کا ہی عکس تھے۔ "پانی پر۔" مریم نے جھٹ سے جواب دیا تھا۔

"جی بالکل، ماشاء اللہ!" مریم کے جواب پر شامی نے اس کا حوصلہ بڑھایا تھا۔

"دیکھو! دو سائے مسلسل پانی کی سطح پر منڈلا رہے ہیں۔ کتنی ہی لہروں نے ان کو چھوا ہی نہیں ہے بلکہ ان پر سے گزر بھی رہی ہیں، لیکن جب تک ہم اس جگہ سے کوچ نہیں کر جاتے، ہم یہاں ساکن ہیں اور یہ بھی ہمارے ساتھ ساتھ ساکن ہیں، بھلے پانی کی موجیں ان کا توازن برقرار نہیں رکھ پا رہی ہوں۔۔۔ اور دیکھو! وہ سورج آب و تاب سے چمک رہا ہے نا؟" مریم نے فورا نگاہوں سے سورج کا نشانہ باندھا۔

جو واقعی روشن منوّر جگمگا رہا تھا۔ پانی میں کھڑے ہونے کی بنا پر احساس ہی نہیں ہوا تھا دھوپ کا۔

سورج کی کرنیں بھی ان سائیوں کو مسلسل چھیڑ چھاڑ کی تگ و دو میں تھیں۔

"غور کرو، کبھی ایک دم یہ ہمارے سائے اچک لیتی ہیں۔ اللہ کا قانون ہے کہ ہر چیز اس کے تابع ہے اور وہ اسی کے حکم کی بجاآوری کر رہی ہے۔"

"ہمممم۔۔۔" مریم نے گویا شامی کو اشارہ دیا تھا کہ میں بغور سن رہی آپ بس بولتے رہیں۔۔۔

"مریم!" شامی نے مریم کو مخاطب کیا تھا۔

"ہم دونوں کون ہیں؟" مریم شامی کے اس اچنبھے سے سوال پر لمحے بھر کے لیے تو سانس لینا بھی بھول گئی۔

ذرا سی دیر کے لیے بھی شامی مریم کو اس سوال پر پریشان نہ دیکھ سکا اور پھر بقیہ ص 26 پر

قرآن کا اعجاز

ام محمد سلمان

آغازِ سرما کی ایک ٹھٹھرتی لیکن سہانی صبح تھی۔ نیلے آسمان پہ ہلکے ہلکے بادلوں کا راج تھا۔ آنگن میں چڑیوں کی چہچہاہٹ تھی۔ باورچی خانے میں گرم چائے کے دور چل رہے تھے جب ایسے جاں فزا ماحول میں اماں نے یہ روح فرسا خبر سنائی کہ آج سے ثریا کو بھی بھیّا کے ساتھ "بڑی مسجد" جانا ہے' سیپارہ پڑھنے۔

"ہائے اماں! اتنی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے' کیسے جائیں گے ہم؟ اڑا گئے کہیں راستے میں... تو!!"

ثریّا ذرا سا روئی منمنائی تو بھیّا بھی اس کی طرف داری کرنے پہنچ گئے۔

"ہاں اماں! ثریّا ٹھیک کہہ رہی ہے' ابھی بہت چھوٹی ہے' باہر اسے ٹھنڈ لگ جائے گی اور اگر ٹھنڈ سے جم گئی تو اور مصیبت...! دھوپ نہ نکلی تو پگھلے گی کیسے...؟ پتا بھی ہے آپ کو کہ جمعرات کا جھڑ تو کھلنے میں بھی ایک ہفتہ لیتا ہے اور قازقستان میں تو جانور بھی جم کر برف بن جاتے ہیں' ایسی قیامت کی ٹھنڈ پڑتی ہے۔"

ہائے اللہ... ثریّا نے اپنے دھک دھک کرتے دل کو سنبھالا... بھلا کیسے کیسے واہیات خدشات نہ تھے جو ننھے معصوم دل میں چھید پہ چھید نہ کرتے گئے ہوں۔ معصومہ نے خیالوں خیالوں میں یہ تک دیکھ لیا کہ ٹھنڈ کی وجہ سے ایسی جمی کہ برف کی سِل کی طرح کوٹ کر کولر میں ڈال دی گئی۔

"اُف اللہ... اتنی تو سردی ہے۔ اماں ہم گرمیوں میں پڑھنے چلے جائیں گے نا!"

ثریّا نے تجویز اور احتجاج ایک ساتھ پیش کیا۔

"نہیں بالکل نہیں!! تمہیں آج سے ہی پڑھنے جانا ہے۔ اسکول جانے کی بڑی جلدی پڑی تھی' وہاں جاتے تمہیں سردی نہیں کاٹتی۔ بس ایک مسجد جاتے تکلیف ہوتی ہے۔ خبر لیتی ہوں تمہاری ابھی..." یہ کہتے کہتے اماں کمرے کے کونے میں رکھے بڑے صندوق کی طرف بڑھیں اور جھٹ پٹ اپنی فیروزی گرم شال نکال لائیں اور اچھی طرح ثریّا کے گرد لپیٹ دی۔

چھے سات سالہ ثریّا بڑی سی شال کے اندر دبک سی گئی۔

اماں نے نورانی قاعدہ ہاتھ میں پکڑایا اور ہاتھ چادر کے اندر کر کے سینے کے ساتھ لگا دیا۔ اب ثریّا بے چاری نورانی قاعدہ سینے سے لگائے اماں کو سلام کر کے بڑے بھیّا کے ساتھ تیز تیز چلنے لگی۔ راستے کا سفر کسی برفیلے پہاڑ کو پاٹنے جیسا لگ رہا تھا۔ معصوم جان کو سردی بھی لگ رہی تھی اور قاری صاحب کا خوف بھی تھا۔ اللہ اللہ کر کے مسجد پہنچے تو بھیّا لڑکوں والی رو میں چلے گئے اور اسے لڑکیوں والی رو کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ سب سے آخر میں جا کر بیٹھ گئی۔ ایک نظر ارد گرد کا جائزہ لیا تو کچھ اسکول کی بچیاں بھی نظر آ گئیں' دل کو ڈھارس سی بندھی!

تھوڑی دیر بعد قاری صاحب نے بلا لیا۔ کالی سیاہ ڈاڑھی' سر پہ چیک والے رومال کی پگڑی اور نورانی سا چہرہ مگر آواز بڑی رعب و دبدبے والی۔ سبق دے کے واپس اپنی جگہ پہ جانے کا اشارہ کیا۔ ثریّا خود کو سنبھالتی واپس جا بیٹھی۔ مسجد بہت خوب صورت تھی' مگر اجنبیت سی محسوس ہو رہی تھی۔ سبق جلدی سے یاد کر لیا اور بیٹھ گئی انتظار میں کہ کب چھٹی ملے۔ دیر نہ ہو جائے کہیں' اسکول بھی تو جانا ہے۔ ساڑھے آٹھ بجے بھیّا نے اسے ساتھ لیا اور قاری صاحب سے اجازت لے کر گھر آ گئے۔ دونوں نے جلدی جلدی تیاری کی اور نو بجے تک اپنے اپنے اسکول پہنچ گئے۔ سردیوں میں اسکول نو بجے لگتا تھا اور دو تین بجے چھٹی ہوتی تھی۔ ساڑھے گیارہ بجے آدھی چھٹی ہوتی جس میں بچے کھانا کھانے گھر جایا کرتے تھے۔ بارہ بجے تک واپس اسکول میں ہوتے۔ کبھی دیر ہو جاتی تو مس رشیدہ کی پیار بھری لوری بھی سنتے اور بعد میں تختی کی مار بھی سہتے!

یہ ثریّا کی قرآنی تعلیم کا پہلا دن تھا۔ نورانی قاعدہ ختم ہوا' پھر پہلا پارہ شروع ہوا اور پھر دوسرا پارہ ختم ہوتے ہی مغمومہ نے دکھی دل سے یہ اعلان کر دیا "اب ہم مسجد نہیں جائیں گے۔" اماں نے خشم گیں نگاہوں سے گھورا تو جھٹ سے کہہ دیا "اب ہم آپ کے پاس ہی پڑھا کریں گے اماں!"

اماں حضور کو یک گونا تسلی ہوئی' چلو گھر میں تو پڑھے گی اور روز صبح اسکول جانے سے پہلے ثریّا کا سبق سننے لگیں۔۔۔

پڑھنے میں تو وہ بڑی ذہین فطین نکلی' سب کچھ یاد کر کے فر فر سنا دیا کرتی' مگر ایک خراب عادت تھی کہ قرآن پڑھتے ہوئے بس جلد سے جلد ختم کرنے کی پڑی ہوتی۔ بس جلدی سے سبق سنائیں اور قرآن اٹھا کر رکھ دیں' جیسے اماں کو قرآن سے محبت و عقیدت تھی' وہ ثریّا کے اندر بالکل ناپید تھی۔ بہت جلد قرآن مکمل کر لیا۔ رمضان آتے تو بس اماں کو راضی کرنے کے لیے ایک قرآن ختم کر لیتی۔ عام دنوں میں جمعے کے جمعے اماں کے بہت کہنے پر قرآن لے کر بیٹھتی اور مشکل سے پاؤ پارہ پڑھ کے الماری میں رکھ دیتی' گویا کسی قید سے خلاصی ملی ہو۔

جانے کیوں قرآن کی محبت و عظمت اس کے دل میں نہ تھی۔ جیسے اماں کو ہمیشہ سوز و گداز سے

تلاوت کرتے یا یاد وہ چیز اسے اپنے اندر ملتی ہی نہ تھی۔ آخر ایسا کیا ہے قرآن میں جو اماں کو ملتا ہے اور ہمیں نہیں ملتا، وہ اکثر سوچا کرتی۔

اسی سوچ بچار میں بچپن گزرا اور لڑکپن کی سمجھ داری کے دن شروع ہو گئے۔ اب اسے قرآن سے کچھ دل چسپی ہونے لگی تھی، کیوں کہ اسکول میں باقاعدہ ناظرہ اور تجوید کی کلاسیں شروع ہو گئی تھیں۔ قرآن کو نئے سرے سے سیکھنا اچھا لگنے لگا۔ تجوید سیکھی، مخارج درست کیے اور بھی بہت کچھ تھا جو قاریہ ٹیچر سکھایا کرتیں۔ ہر ہر بات سیکھنے میں مزہ آتا، نیا لطف ملتا۔

تجوید القرآن کی کتاب میں قرآن کی تلاوت کے بھی کچھ فضائل لکھے تھے، جنھیں پڑھ کر تلاوت میں بھی دل لگنے لگا۔ اب زور زبردستی کی تلاوت محبت میں بدلنے لگی۔ ثریّا روزانہ صبح اٹھ کے نماز کے بعد قرآن کی تلاوت کرنے لگی، کیوں کہ صبح صبح تلاوت کرنے سے فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جب حاضر ہوتے ہیں تو یقیناً آسمانوں پہ جا کر بتاتے ہوں گے کہ ثریّا نے تلاوت کی ہے تو اللہ کتنے خوش ہوتے ہوں گے۔ بس یہ صبح صبح کی فضیلت ایسی تھی کہ اس کے دل میں قرآن کی محبت جگا گئی اور ایک ایک حرف پہ دس دس نیکیاں تو سونے پہ سہاگا۔۔۔!! اور یہ کہ تلاوت کرنے والے کے لیے قیامت کے دن بہت سارا نور ہو گا۔

اماں بھی دیکھ کر خوش ہوتیں کہ چلو اس نادان کو قرآن سے تو محبت ہوئی۔ اماں کا یہی دستور تھا، اپنے سب بچوں کو قرآن کی تلاوت کی ترغیب دیتی رہتیں۔ نہ پڑھنے پر غصہ کرتیں، ناراض ہوتیں۔ سو سب کے سب روزانہ قرآن کی تلاوت کے عادی ہوتے گئے اور یہ عادت تاعمر ان کے ساتھ رہی اور پھر یہی نہیں کہ بچپن کے پڑھے ہوئے پر اکتفا کر لیا ہو، بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ ہمیشہ اپنے قرآن کی حفاظت کی۔ باقاعدہ تجوید و ترتیل سے پڑھنا سیکھا، ترجمہ تفسیر پڑھی، اس کے معانی مطالب میں غور کیا، اس کے فضائل کو محسوس کیا یقین کیا تو پتا چلا اکہ نور سا ہے جو دل میں اترتا چلا جا رہا ہے۔ ربِّ کریم کی محبت و معرفت کا نور! اس کے عالی شان مرتبے اور اس کے جلال و عظمت کا ہر دم اعتراف گویا دل کے نہاں خانوں میں جڑیں گاڑ کر بیٹھ گیا۔ قرآن کی الگ ہی ایک دنیا ہے جب انسان اس دنیا میں قدم رکھتا ہے تو اس کے سحر سے نکل نہیں پاتا۔ یہ آکٹوپس کی طرح جکڑ لیتا ہے انسان کو۔۔۔ تب ہی تو مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ یہ شخص (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو جادو کر دیتا ہے لوگوں پر کہ بھائی، بھائی کا دشمن ہو جاتا ہے۔ یہ کتابِ ہدایت چیز ہی ایسی ہے کہ انسان کو گم راہی کے اندھیرے جنگل سے روشنی اور نور کے محلات میں پہنچا دیتی ہے! تو پھر کوئی کیوں وہاں سے واپس ان اندھیروں کی طرف آنا چاہے۔۔۔۔؟ یہ قرآن ہی تو راہِ نجات ہے، دنیا و آخرت کا سہارا ہے۔ ربُّ العالمین کی ایک جیتی جاگتی نشانی ہے ہمارے پاس۔

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتی ہیں کہ ہر چیز کے لیے کوئی شرافت و افتخار ہوا کرتا ہے، جس سے وہ تفاخر کیا کرتا ہے۔ میری امت کی رونق اور افتخار قرآن مجید ہے۔"

یعنی لوگ اپنے خاندان، آباواجداد سے روپے پیسے سے بنگلے گاڑیوں سے اونچے عہدوں سے اور ایسی ہی بہت سی چیزوں سے اپنی شرافت و بڑائی ظاہر کیا کرتے ہیں، لیکن میری امت کے لیے ذریعۂ افتخار کلام اللہ شریف ہے کہ اس کے پڑھنے پڑھانے یاد کرنے سیکھنے سکھانے اور عمل کرنے سے غرض اس کی ہر چیز قابلِ افتخار ہے اور کیوں نہ ہو کہ محبوب کا کلام ہے، آقا کا فرمان ہے، دنیا کا بڑے سے بڑا شرف بھی اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اس کی تلاوت میں ایسی لذت ہے کہ انسان ساری زندگی اسے بار بار پڑھتا ہے، مگر کبھی اس سے دل نہیں اکتاتا بلکہ جتنا پڑھتے ہیں، اتنا ہی لطف محسوس ہوتا اور سرور ملتا ہے۔

سبحان اللہ۔۔! یہ ہے قرآن کا اعجاز جو دنیا میں بھی عزت ہے اور آخرت کا افتخار بھی!!

خود سے ہی جواب دینا شروع کیا۔

"دیکھو مریم! اس سوال کا جواب ہم دونوں کو ہی معلوم ہے، بلکہ تم تو مجھے کئی بار یہ بات باور کروا چکی ہو کہ ہم ایک دوسرے کے لباس ہیں۔ مطلب تم اس تعلق کو اچھی طرح سمجھتی ہو۔" "الحمدللہ! ایسا ہی ہے۔۔" مریم نے جواب دیا۔

آ ھمم۔۔۔ شامی نے گلہ کنکھارتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"آج میں تمھیں کچھ کہنا چاہتا ہوں یا یوں سمجھ لو کہ بتانا چاہتا ہوں۔"

"جی۔۔۔!!"

مریم نے صراحی نما گردن کو ذرا سا آگے کیا۔ مریم ہمہ تن گوش مکمل سماعت کے ساتھ شامی کو سننا چاہتی تھی۔

"ان سائیوں کو دیکھو!! انھیں نہ صرف سمندر کی موجیں مارتی لہروں نے پریشان کیا نہ ہی گول سورج کی ٹکیہ کی بھیجی گئی لاکھوں کرنوں نے، بلکہ ان سائیوں نے ہمارے وجود کو بھی سہا، بھلے ہماری گفتگو ان کے سائے میں ہوتی رہی۔ ساحل پر کھڑے ہر شخص کی نگاہوں کو بھی، ہر لہر ان کے ساتھ اٹھکیلیاں کرتی رہی، پر یہ چپ سادھے متواتر گویا ایک دوسرے کا سایہ بنے رہے اور ساتھ رہے۔

ساحلِ سمندر پے کھڑا کوئی عاشق غم بھلانے کے واسطے کوئی پتھر بھی اپنی پرزور طاقت کے ساتھ ان پر مارتا تو یہ تب بھی استقامت دکھاتے، بھلے وہ کنکر اپنا مرکز ان کی جبیں بناتا یا رخسار۔۔۔

مریم ان سائیوں کو کوئی چیز الگ نہیں کر سکتی سوائے اس کے کہ (تمہارے پاس سے "میں" یا میرے پاس سے "تم") کہیں چلے جائیں۔"

شامی کی باتوں کا مفہوم مریم کے دل میں رقم ہو رہا تھا۔

"مریم! ہماری زندگی میں کوئی ٹھاٹھے مارتا ہوا طوفان آئے یا کوئی چھوٹا سا کنکر، ہمیں خود کو طوفان کی ہر لہر اور کنکر کی ہر چوٹ سے بچانا ہے۔ ہمارے درمیان کوئی خلا نا ہو، جسے کوئی بے ضرر چیز پُر کر جائے اور ہمیں پتا بھی نا چل سکے۔"

شامی نے مریم کی انگلیوں سے خود کی انگلیوں کو آزاد کروا کے دونوں ہاتھوں سے مریم کے وجود کو کندھوں کے ذریعے سے تھاما تھا۔

"ہمیں وہ سایہ بننا ہے کہ لوگوں کے لیے ہم مثلِ سایہ ہوں۔"

پروقار انداز سے مریم نے جملہ مکمل کیا تو یک دم شامی کے زباں سے الحمدللہ نکلا اور اب کی بار خدا کی تعریف خدا کے اس بندے نے اکیلے ہی نہیں کی تھی۔ ساتھ سمندر کی ہر ہر لہر، سورج کی ہر ہر کرن، ساحلِ سمندر پے سیر و تفریح کرتے وجود کے ہر ہر سائے نے سمندر کے اوپر اور سمندر کے اندر مخلوقِ خدا بھی گویا قدرت کا قانون یک دم قدرت کی تعریف میں بہ کثرت ذکر کر رہا تھا۔

"الحمدللہ! الحمدللہ! الحمدللہ!"

Classic
Authentic Quality Product

Fresh Every Day.. The Classic Way!

A Healthy start!

Classic Bread is Baked with the goodness of Nature..

پچھتاوے کی سسکیاں

زینب گوہر

"تیرا ابتدائی بچپن میں نے اور تیرے ابا نے بہت اذیت میں بھگتا ہے میرے لعل۔۔۔ تو ہمارا پہلا بچہ تھا' نہ جانے تجھے کس کی نظر لگ گئی تھی کہ ایک سال کا ہوتے ہی بیمار رہنے لگ گیا۔" ماں گود میں اس کا سر رکھے' لاشعور کی انگلی تھامے اس کے ابتدائی بچپن کی حسین وادیوں کی سیر کروا رہی تھیں۔ مگر حسین وادیوں میں بیماری کے گدلے پانیوں کا عکس نمایاں تھا۔ وہ اس عکس کو دیکھ کر اداس ہو گیا۔

"پورے پانچ سال تیری بیماری سے لڑے ہم دونوں' اس دوران تمہاری دو چھوٹی بہنیں بھی پیدا ہو چکی تھیں مگر میرا دل تم ہی میں اٹکا رہتا تھا۔ پھر جب تم چھ سال کے ہو گئے تو ہم نے سکھ کا سانس لیا کہ بیماری نے ہمارے لعل کا پیچھا چھوڑ دیا۔" ماں سالوں پیچھے کے چلتے وقت کے دھارے میں بولتی چلی جا رہی تھی۔ اور اسے یاد آنے لگا' دھندلا دھندلا مٹا مٹا یا سا اپنا لاغر سا بچپن۔۔۔

"میں نے جو وقت تمہیں دیا' اپنی باقی اولاد کو نہ دے سکی' بیٹا تو ہماری امید ہے' پڑھائی پہ توجہ دیا کر' آج بھی تیرے ابا ماسٹر صاحب سے مل کر آئے تو پریشان تھے۔ ماسٹر صاحب نے بتایا تم پڑھائی پہ بالکل توجہ نہیں دیتے۔۔" ماں بچپن کی حسین وادیوں سے یک دم ہی اسے لڑکپن کے گھنے جنگل میں لے آئیں' جہاں اسے خار دار جھاڑیوں کے نظارے ہر سمت نظر آنے لگے۔ ماں کی آغوش میں اسے یک دم ہی ببول کے کانٹے چبھتے محسوس ہوئے تو ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ "تو اس لیے اتنا میٹھا بول رہی تھیں آپ!" ہلکی سی ناراضی جتلاتا وہ چپل پیروں میں اڑستا اٹھنے لگا۔ ماں نے اس کی کہنی تھام لی۔ "بیٹا۔۔۔ پڑھائی پہ توجہ دو۔" ماں نے آخری بار پھر التجا کی۔

اور وہ ماں کی آنکھوں میں دیکھتے "پڑھائی پہ توجہ" دینے کے لیے آمادہ ہو گیا۔

◆◆◆

وہ ہسپتال کی طویل سرد راہداری کو عبور کرتا ایمرجنسی وارڈ میں داخل ہوا۔ شیشے کے بنے دروازوں کے پیچھے بے بسی سے کراہتے مریض دیکھ کر اس نے جھرجھری سی لی اور ان ہی کراہتے مریضوں میں باپ کی کراہ سنتے اس کے پیر زنجیروں میں جکڑے گئے۔ باپ کے ایکسیڈینٹ کی خبر ملتے ہی وہ آفس سے سیدھا ہسپتال بھاگا تھا اور ہسپتال آکر اسے ہر طرف زوال اترتا محسوس ہوا۔ ڈاکٹر سر سے اوپر کر کے سیاہ رنگ کی ایکسرے رپورٹ دیکھ رہے تھے۔۔۔ اس نے بھی سر اوپر کیا' اسے باپ کی کچلی ہوئی ہڈی بری طرح تڑپا گئی۔ کچھ ہی دیر بعد اس کے باپ کو اسٹریچر پہ ڈال کر وارڈ میں شفٹ کیا جا رہا تھا۔

تین دن بعد ڈاکٹر نے آپریشن بتایا اور پھر آپریشن نے بھی اس کے باپ کی ہمیشہ کی معذوری ختم نہ کی۔ باپ ہمیشہ کے لیے بستر پہ لگ گیا اور ماں نے ایک بار پھر اسے التجا کرتی نظروں سے دیکھا۔ وہ ماں کی نگاہ میں لکھی تحریر پڑھ گیا۔ گویا وہ کہہ رہی تھیں۔ "بیٹا باپ پہ توجہ دینا۔۔" اور پھر اس نے خود کو وقف کر لیا دفتر جانے سے پہلے اور بعد میں اس نے باپ سے ملنا' خبر گیری کرنا' دیکھ بھال کرنا خود پر لازم کر لیا۔

◆◆◆

"یار۔۔۔ تمہاری اپنی کوئی زندگی نہیں ہے کیا! ہر وقت تم گھر کی ٹینشن میں رہتے ہو" اس کے دوست نے نہ جانے طعنہ دیا تھا یا اسے یاد دہانی کروائی تھی مگر فرماں بردار بیٹے نے صرف ایک سادہ سی مسکراہٹ کے ساتھ یہ کہنے پہ اکتفا کیا تھا:

"یار ہماری زندگیاں ہمارے والدین ہی کی مرہون منت ہیں۔۔ ہم کون ہوتے ہیں ان پہ تصرف رکھنے والے۔۔"

دوست ہکا بکا اسے دیکھ کر رہ گیا۔

◆◆◆

وقت کا پنچھی جست لگا کر اڑا تو اپنے پیچھے گہرے نقوش چھوڑ گیا۔ فرماں بردار بیٹے کی شادی ہو گئی۔ پہلے بیوی اور پھر بچوں کے آنے سے بہار سی آ گئی۔ اس نے اس بہار کے ساتھ باپ کی خدمت' بہنوں کے خیال اور ماں کی فرماں برداری کی بہار بھی قائم رکھی اور پھر اچانک ہی بیوی بچوں کی پر مسرت بہار اسے دوسری بہار سے غافل کرنے لگی۔

مصروفیت بڑھ گئی تھی یا کیا۔۔۔ وہ ابا جی پہ توجہ کم دینے لگا۔ ترقی ہوتی گئی' دولت کی مہرباں دیوی کے قدم اس کے گھر میں مضبوط ہوتے گئے' اور اس نے باپ اور ماں کے لیے دو ملازموں کا بندوبست بھی کر دیا۔ گھر آتا تو کھڑے کھڑے ابا جی کی خیریت بھی دریافت کر لیتا اور پھر جب وہ زیادہ دیر سے آنے لگا تو اس نے "ابا جی کے آرام میں خلل نہ آئے" کے پیش نظر ان کے پاس جانا ترک کر دیا۔ یہاں آکر وقت بہت تیزی سے قلابازیاں کھاتا رخصت ہوا۔

اور ایک دن معذور ابا جی ہمیشہ کے لیے کندھوں پہ سوار ہو کر آخری آرام گاہ پہنچ گئے۔ اسے دھچکا لگا مگر تعزیت کرنے والوں کے ہجوم میں گم ہو کر وہ اس دھچکے کے نفع و نقصان کا تخمینہ نہ لگا سکا۔

◆◆◆

مدت گزری آج وہ گیٹ سے باہر کرسی ڈالے ترسی پیاسی نگاہوں سے آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔ ذہن کی فلم اسکرین ان کو مختلف ادوار کی کہانیاں دکھاتی عروج و زوال کی داستان باور کروا رہی تھی۔ اور وہ آنسوؤں کا ذخیرہ گریبان میں محفوظ کرتے جا رہے تھے۔ جیسے وہ ماں باپ کے فرماں بردار تھے' ویسے بلکہ ان سے بھی بڑھ کر فرماں بردار اولاد اللہ نے ان کو دی' ہر جگہ سر فخر سے بلند کیا۔ نام بھی روشن کیا۔ دیکھ بھال اور خدمت بھی بڑھ چڑھ کر کی گئی۔

مگر وہاں تک' جہاں تک انھوں نے نیکی کا ساتھ نبھایا تھا۔ وہاں انھوں نے نیکی کا ساتھ چھوڑا آج وہاں سے ان کی اولاد نے بھی نیکی کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ان کے بچے اب ان سے بھی زیادہ مصروف ہو گئے تھے۔ دنیا گلوبل ولیج بن چکی تھی اور اس گلوبل ولیج کی دنیا میں ہر کوئی ترقی کے لیے تیز بھاگ رہا تھا اور ان کے بچے بھی بھاگ رہے تھے۔

اب وہ بمشکل بیوی بچوں کے لیے وقت نکال پاتے۔ کھڑے کھڑے فکر مندی کے انداز میں خیریت دریافت کرتے اور پھر چلے جاتے۔

اور اب یہ معمول "ابا ڈسٹرب نہ ہوں" کی سوچ کے پیش نظر انھوں نے ختم کر دیا تھا۔

کیوں کہ جس وقت انہیں فرصت ملتی وہ سو چکے ہوتے اور ان کے اٹھنے' کمرے سے نکلنے سے پہلے وہ اپنے دفتروں میں جا چکے ہوتے۔ یہ کھیتی جو وہ کاٹ رہے تھے بہت تکلیف دہ تھی۔ گال اور گریبان بھگوتے آنسو بتا رہے تھے' وہ اس وقت کو پچھتا کر سسک رہے تھے جو اب ان کے پاس نہیں تھا۔ اور جو کبھی ان کے پاس نہیں آنے والا تھا۔ وہ پچھتاوے کی سسکیاں شعور کی کھڑکیوں میں گونجتی محسوس کر رہے تھے۔ مگر وہ بے بس تھے اس گونج کی آواز سے۔ وہ خود کو وہ لٹا پٹا مسافر محسوس کر رہے تھے جو عین گھر کے دروازے پر پہنچ کر لٹ گیا ہو۔

تاحدِ نظر پھیلی فصلیں لہلہاتی ہوئی اپنے پھلنے پھولنے کا پتا دے رہی تھیں۔ وہ اطمینان سے نگاہ دوڑاتا پگڈنڈیوں سے چلتا کھالے کے پاس ٹیوب ویل کے دوسری طرف درخت کے سائے تلے بچھی چارپائی پہ آ بیٹھا۔ تند و تیز ہوا سے اس کے کپڑے جسم سے لپٹے جا رہے تھے اور درختوں کے پتے بکھرے جا رہے تھے۔ اس کے مخالف سمت میں راستے پہ کوئی وجود آتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ جانتا تھا مختاراں ہوگی۔ وہی اس وقت کھانا لے کے آتی تھی۔ اس نے پھر سے فصلوں کو دیکھا۔۔۔!

"فصل اچھی ہے بشیرے، خدا چوہدری کو اجر دے، ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ہمیں اچھا حصہ دے گا مزدوری کا۔"

"ہاں مختاراں، سارا سال دیکھ بھال کا حصہ الگ سے، پھر اب فصل کٹے گی تو ویسے ہی چوہدری بڑا خیال رکھتا ہے، تو فکر نہ کر، اس بار شنو کے جہیز کا سامان بھی کچھ تیار ہو جائے گا اور منور کو شہر بھیجنے کی بات بھی کروں گا۔"

بشیرے نے اطمینان سے اپنے منصوبے بتائے اور جگ سے پانی انڈیلنے لگا۔ مختاراں نے ہوا سے اڑتے ڈوپٹے کو سنبھالا اور کھل کے سانس لیا۔ وہ سانس جس میں زندگی خود اطمینان کی چادر اوڑھے کسی نعمت سے کم تو نہیں ہوتے۔۔

دو بستیوں کے درمیان موجود بڑی سی نہر پہ چوڑا پل دونوں کو ملانے کا واحد راستہ تھا۔ مگر کون کہتا ہے زمینی راستے بنا دینے سے کدورتیں بھی اپنا راستہ لے لیتی ہیں، وہ وہیں مٹی میں شامل ہو جاتی ہیں اور ہر آنے جانے والے کی سانس میں اڑ کے کھانسنے پہ مجبور کرتی ہیں۔۔

دونوں بستیوں کے چودھریوں شجاعت اور رفاقت کے درمیان بھی کچھ ایسی ہی کدورت تھی، جو جانے کتنی نسلوں سے چلتی آ رہی تھی۔ مگر چودھری شجاعت کا پوتا شجاع جوان کا جانشین تھا، اب اس کدورت کو مٹا دینا چاہتا تھا۔ کچھ دل بس محبت سے بنے ہوتے ہیں، محبت سوچتے ہیں، محبت کرتے ہیں اور بس محبت چاہتے ہیں۔ وہ کئی بار چودھری رفاقت کے بیٹے شفقت کو بڑا مان کے محبت سے ہاتھ ملانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ لیکن چودھری شفقت ایک تو اولاد نہ ہونے کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی کرخت اور پھر سفاک قسم کا انسان تھا۔ زبان کا انتہائی میٹھا اور دل کا بے حد کڑوا۔۔۔ بعض لوگ پیٹھ پیچھے وار کے عادی ہوتے ہیں، وہ انہی میں سے ایک تھا۔

دونوں بستیوں کے مزدوروں میں آج کل خوشی کی لہر تھی، چاہے فصلیں ان کی نہ تھیں، زمینوں کے نام پہ پیر رکھنے جتنے حصے تھے، مگر فصل کا موسم جب بھی آتا تھا لیبر میں کام کرنے کے پیسے کچھ مہینے کے راشن کو پورا کرنے کو کافی ہو جاتے تھے۔ ایک مزدور کو اپنی دیہاڑی سے زیادہ کیا چاہیے۔۔۔!

بشیرا بھی انہی میں سے ایک تھا اور چوہدری شجاع کی نظر میں ایک اچھا آدمی بھی۔۔۔ سب لوگ اسے چوہدری شجاع کا خاص بندہ سمجھتے تھے، حالاں کہ وہ بس اس کی بہت عزت کرتا تھا۔

یہ کٹائی سے چار ہفتے پہلے کی بات ہے، موسم کی رنگینیاں حسن کی انتہا لیے ہوئی تھیں، پتوں کی سرگوشیاں، پرندوں کی چہچاہٹ اور کہیں کہیں چہروں سے فکر مندی کے آثار نظر آ رہے تھے۔

اور پھر بادلوں نے آنکھ مچولی بند کی اور کھل کے سامنے آئے، اتابر سے کہ زمین نہا گئی، نہروں نے اپنی حد سے سر کنا شروع کیا ہی تھا کہ دعائیں رنگ لے آئیں اور بارش کی جل تھل رک گئی، مگر فصل کا کونہ کونہ پانی کی موجوں میں بہ گیا۔ سارا عالم خاموش اور چوہدری رفاقت کی بستی میں موجود کچی دیوار کے ہر گھر کی دیواریں اور فرد کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

قدرت کا اصول ہے، شر میں خیر نہیں رہتی اور ظالم کے گھر کا انتقام اس کی دیواروں سے جڑی جھونپڑیوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

پل کی دوسری جانب چوہدری شجاعت کی فصلیں اسی طرح لہلا رہی تھیں۔ چوہدری شفقت کی نظروں میں نئے انتقام نے جنم لیا تھا۔

"بشیرے، مجھے تو دیکھ دیکھ کے افسوس ہوتا ہے، اپنی اپنی قسمت! رب سوہنا یہاں بھی خیر کرے، یہ میل دو میل کے فاصلے پہ تو ہے۔ اور حال دیکھو تو کسی اور ہی جگہ کا لگتا ہے۔"

"چوہدری شجاع نے ان کی مدد کا وعدہ کیا ہے، اسی کی بات کرنے جا رہے ہیں، بس تو دعا کر کہ وہ چوہدری کوئی مسئلہ نہ کرے۔"

"اچھا تو دھیان رکھنا۔" مختاراں نے اس کی پگڑی ٹھیک کی تھی اور وہ چل دیا۔

وہاں جا کے چوہدری شفقت نے یوں استقبال کیا، جیسے ساری نفرتیں مٹ گئی ہوں۔ ہر طرف خوشی کی لہر دوڑی تھی۔ وہاں کے مزدوروں کو فصلوں کی کٹائی پہ چوہدری شجاع کی بستی میں کام کرنے کی آفر اور زیادہ معاوضہ دینے کی بات کی گئی تھی اور دونوں چوہدریوں نے تعاون کا یقین دلایا تھا۔ "رب سوہنا، تیرا شکر ہے۔" بشیرے کے لبوں پہ شکر کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔

رات کا دوسرا پہر شروع ہی ہوا تھا کہ اچانک اُفتاد نے چوہدری شجاع کی بستی کو سنبھلنے کا موقع نہ دیا۔ پانی، پانی ہر طرف پانی نے ان کے آشیانے کو ڈبو دیا۔ وہ قہر تھا، کوئی قیامت تھی۔

بشیرے کے کوٹھے کی کچی دیوار گرنے کو اور شنو کے جہیز کی چیزیں بہنے کو تیار نظر آتیں تھی۔ مختاراں اور بشیرا نے جھولی میں سمیٹنا چاہا، مگر کیا کیا سمیٹتے۔۔۔۔! سب بہ گیا۔۔۔!

صبح کی روشنی نے دونوں بستیوں کو پانی میں ڈوبا ہوا پایا تھا۔ نہر کو جگہ جگہ سے کھود کے پانی چھوڑ دیا گیا تھا۔

سارے عذاب خدا کی طرف سے گناہوں کی سزا نہیں ہوتے۔ کچھ قیامت، بندے خود بندوں پہ لاتے ہیں۔ یہ وہ آگ نہیں تھی، جو پانی سے بجھائی جاتی، یہ نفرت کی وہ آگ تھی جو پانی سے لگائی گئی تھی۔۔۔!

سب خشک ہو ہی جائے گا، مگر جو بہ گیا ہے وہ جانے کہاں پہنچے گا، لوٹے گا تو نہیں۔۔۔!

جُنید امِین

Your Trusted Friend in Real Estate

Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

مچھلیاں

فوزیہ خلیل

سب بچے سمندر کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ بچوں کو بہت مزہ آرہا تھا' کھانا لگایا جارہا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد بچے کھیل کود میں لگ گئے' کچھ بچے سمندر میں ذرا آگے تک چلے گئے' کچھ ساحل پر بیٹھ کر پاؤں ڈبو رہے تھے۔ تھکنے کے بعد آہستہ آہستہ ساحل پر جمع ہو گئے۔

"آج ساحل پر بہت ساری مچھلیاں نظر آرہی ہیں۔" عکاشہ بولا۔

"ہاں! مچھلیاں مجھے بہت پسند ہیں۔" خزیمہ نے کہا۔

"نہیں بھئی' کچھ مچھلیاں تو بہت خطرناک ہوتی ہیں۔ میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا۔" مصعب جلدی سے بولا۔ سب بچے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"ہاں سفید شارک' ایل مچھلی' ٹائیگر فش' اسٹون فش' لال لائن فش Red Lion Fish بہت ہی خطرناک مچھلیاں ہیں۔" مصعب جلدی جلدی کہنے لگا۔

"ہاں یہ بات ٹھیک ہے۔ کچھ مچھلیاں بہت خطرناک ہوتی ہیں' لیکن ہر مچھلی خطرناک نہیں ہوتی' زیادہ تر بے ضرر ہوتی ہیں۔" چچا جان نے کہا۔

"کچھ مچھلیاں جان سے تو نہیں مارتیں مگر زخمی ضرور کر دیتی ہیں۔" علی نے کہا۔

"سفید شارک بے حد خطرناک ہوتی ہے۔ یہ ہزاروں سال پہلے کبھی موجود ہوتی تھیں۔ اگر انسان کسی طرح اس سے بچ نکلنے میں کامیاب بھی ہو جائے تو بھی گہرے زخموں کے باعث مر جائے گا۔ سفید شارک انسانوں پر اس وقت بھی حملہ آور ہوتی ہے' جب اُس کو بھوک مٹانے کے لیے کوئی دوسرا شکار نہ مل رہا ہو۔" مصعب نے جلدی جلدی کہا۔

"اور ایل مچھلی؟" عکاشہ نے پوچھا۔

"ایل مچھلی' دانتوں والی مچھلی ہے' اس کے خوف ناک سے دانت ہوتے ہیں' اس کی بہت سی اقسام ہیں۔ یہ ایک بہت لمبوتری سی مچھلی ہے۔ اس کے جبڑے مضبوط اور دانت بہت نوکیلے ہوتے ہیں۔ یہ تقریباً تین میٹر تک لمبی ہو سکتی ہے۔ یہ مچھلی دنیا کے کچھ حصوں میں شوق سے کھائی جاتی ہے' لیکن اس کا گوشت زہریلا ہو سکتا ہے اور جان لے سکتا ہے۔" بچے بہت غور سے مچھلیوں کے بارے یہ باتیں سن رہے تھے۔

"کیا ایل مچھلی بجلی کا جھٹکا دیتی ہے؟" حیدر نے پوچھا۔

"ایک بڑی الیکٹرک ایل مچھلی چھ سو وولٹ' بجلی پیدا کرتی ہے جو کہ ایک انسان کو جھٹکا لگنے اور جھٹکا کھا کر ڈوب جانے کے لیے کافی ہے۔" چچا جان نے کہا۔

"بجلی کا جھٹکا۔" بچوں نے جھرجھری لی۔

"ہر ایل مچھلی خطرناک نہیں ہوتی' کچھ ایل مچھلیاں انسانوں کے بجائے آکٹوپس اور دوسری مچھلیوں کا شکار کرنا پسند کرتی ہیں۔"

"ہاں! جس طرح سب مچھلیوں میں کانٹے نہیں ہوتے' کچھ ہڈیوں والی مچھلیاں بھی ہوتی ہیں اور کچھ دانتوں والی بھی ہوتی ہیں۔" یوسف بولا۔

"ایل مچھلی پانی میں سوراخوں اور دراڑوں میں رہتی ہیں۔" مصعب نے کہا۔

"میں نے آرچر مچھلی (Archer Fish) کے بارے میں پڑھا تھا کہ آرچر مچھلی اپنا شکار پکڑنے کے لیے انتہائی انوکھا طریقہ اختیار کرتی ہے۔ یہ اپنے منہ سے پانی کی ایک دھار ہوا میں اچھالتی ہے جو پانی کے اوپر اڑتی ہوئی مکھی یا کسی پتے پر بیٹھے ہوئے کیڑے سے ٹکرا جاتی ہے۔ شکار اپنی جگہ پر بری طرح ڈگمگا کر پانی کی دھار کے ذریعے سے آرچر مچھلی کے منہ میں گر جاتا ہے۔" خزیمہ بولا۔

"انتہائی حیرت انگیز۔" بچوں کے منہ حیرت کے مارے کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"مجھے مچھلیوں سے بہت دل چسپی ہے۔ میں اُن کے بارے میں کتابیں پڑھتا رہتا ہوں۔" خزیمہ نے کہا۔

"کٹل مچھلی (Cuttle Fish) کے بارے میں بھی کچھ بتاؤ؟" کچھ بچوں نے اصرار کیا۔

"کٹل مچھلی کے بہت لمبے Tentacles ہوتے ہیں۔"

"Tentacles یہ کیا ہوتا ہے؟" عکاشہ نے فوراً پوچھا۔

"یہ ایک حساس عضو ہوتا ہے' جس سے یہ مچھلی جان داروں کی موجودگی کو محسوس کرتی ہے۔ یہ مچھلی نہایت تیز رفتاری سے حرکت کرتی ہے اور لمحے بھر کے اندر کسی مچھلی کو شکار کر کے نگل لیتی ہے اور اگر یہ خود کسی سمندری مخلوق کا شکار ہونے لگے تو خود اپنے Tentacles نگل کر مر جاتی ہے۔"

"یعنی خودکشی کر لیتی ہے۔" بچوں نے سرد آہ بھر کر کہا۔

"میں نے شارک کی ایک قسم کے بارے میں پڑھا تھا' وہ Blood Thirsty شارک کہلاتی ہے۔" عکاشہ بولا۔

"ہاں' شارک پر تو ہم بات کر بھی چکے ہیں۔ شارک مچھلی کی بینائی اور سونگھنے کی حس

چی چی کا پیارا گھر

سمیرا انور

کسی جنگل میں ایک پیپل کا درخت تھا، جس پر ایک خوب صورت چڑیا رہتی تھی۔ اس کا نام چی چی تھا۔ چی چی کا گھونسلا بہت صاف ستھرا اور سلیقے سے سجا ہوا تھا۔ چی چی اپنے گھونسلے کی صفائی ستھرائی کا خاص خیال رکھتی تھی۔ چی چی کے دو بچے تھے۔ چی چی انھیں صبح سویرے اٹھاتی، منہ ہاتھ دھلاتی اور اچھے کپڑے پہنا کر ناشتے کی میز پر لے آتی۔ بچوں کے جاگنے سے پہلے ہی چی چی سارے گھر کی صفائی کر لیتی تھی، اس لیے جب وہ اٹھ جاتے تو آرام سے ان کے لیے ناشتا تیار کرتی۔

"ارے واہ چی چی بہن! آپ نے تو اپنا گھر بہت صاف ستھرا رکھا ہے۔ ایک ہمارا گھر ہے، جس کی صفائی کو ہفتوں گزر جاتے ہیں۔" کوّے میاں نے جو سامنے ہی کیکر کے درخت پر رہتے تھے، بے ساختہ ہی ان کے گھر کی تعریف کی۔

"آپ تو جانتے ہی ہیں کوّے بھیّا! میری مرحومہ امی جان بھی گھر کی صفائی اور سجاوٹ کا خاص خیال رکھتی تھیں۔" چی چی کی بات سن کر کوّے میاں سر ہلاتے ہوئے بولے: "ہاں! وہ بھی گھر کو بہت صاف ستھرا رکھتی تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ وہ آپ کو بھی خوب ڈانٹا کرتی تھیں جب آپ ٹھیک سے صفائی نہیں کرتی تھیں۔"

"ارے چیل بہن۔۔۔ کیا ہوا ہے خیریت ہے سب۔ آپ تیزی سے کہاں جا رہی ہیں؟" چی چی نے چیل کو اپنے بچے کے ساتھ گھونسلے سے جاتے دیکھ کر پوچھا۔ "چی چی! میں حکیم الّو کی طرف جا رہی ہوں، میرے منّو کو تیز بخار ہے۔" چیل یہ کہتے ہوئے چلی گئی۔

جنگل میں سب ہی بخار، زکام کی زد میں آ رہے تھے۔ چی چی کا گھر ہی واحد بچا تھا، جس میں یہ بیماریاں نہیں پہنچی تھیں۔

"چیل بہن! آپ برا نہ مانیے گا۔ نزلہ زکام کے جراثیم گندگی کی وجہ سے گھر میں داخل ہوتے ہیں، اس لیے آپ نہ صرف بچوں کو صاف ستھرا رکھیں بل کہ گھر کی صفائی کا بھی خاص خیال رکھیں۔" حکیم الّو نے چیل کو دوا دیتے ہوئے کہا۔ چیل کا گھر بہت گندا رہتا تھا اور وہ بالکل بھی صفائی نہیں رکھتی تھی۔ بچے بھی اپنی ماں کی دیکھا دیکھی گندی جگہ پر بیٹھے رہتے۔ بغیر منہ ہاتھ دھوئے ناشتا کر لیتے۔ چیل نے الّو کی بات سنی تو شرمندگی سے سر جھکا لیا، کیوں کہ وہ بالکل سچ کہہ رہے تھے۔

جنگل کے بادشاہ شیر کو جب جنگل کے حالات معلوم ہوئے اور نزلہ زکام کی بیماریوں کا علم ہوا تو انھوں نے ہر گھر کا جائزہ لیا۔ سوائے چی چی کے سب کے گھر گندے اور مکھیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ شیر بادشاہ نے چی چی چڑیا کو انعامات سے نوازا اور اس کے گھر کو "جنگل کا خوب صورت گھر" قرار دیا۔ چی چی اور اس کے بچے بہت خوش تھے۔ اب جنگل کے سبھی جانوروں اور پرندوں نے اپنے گھروں کو صاف ستھرا رکھنا شروع کر دیا کیوں کہ انھوں نے اپنے گھروں سے نزلہ، زکام کی مہلک بیماریوں کو بھگانا تھا۔

پیارے بچو! آپ بھی چی چی چڑیا کی طرح اپنا گھر صاف ستھرا رکھیں اور اپنی امی کی اس معاملے میں بھرپور مدد بھی کریں۔

بقیہ مچھلیاں

انتہائی تیز ہوتی ہے۔ خون کی بو گویا اُسے پاگل کر دیتی ہے اور وہ انتہائی غضب ناک ہو کر اپنے شکار کو منٹوں میں چیر پھاڑ کر رکھ دیتی ہے۔"

"کیا سب مچھلیاں پانی میں رہتی ہیں، کیا کوئی مچھلی پانی سے باہر بھی رہ سکتی ہے؟" عکاشہ نے پوچھا۔

"ہاں Lung Fish ایسی مچھلی ہے جو پانی کے بغیر بھی رہ لیتی ہے، یہ اپنے آپ کو مٹی میں دھنسا لیتی ہے اور اپنے پھیپھڑوں سے سانس لیتی رہتی ہے۔ اس میں پھیپھڑے اور گلپھڑے دونوں ہوتے ہیں۔" خزیمہ نے کہا۔

"جیلی فش (Jelly Fish) اور ستارہ مچھلی (Star Fish) کے بارے میں بھی بتاؤ؟" بچوں نے پوچھا۔

"نہیں بچو! جیلی فش اور ستارہ مچھلی دراصل مچھلیاں نہیں ہیں، یہ پانی میں رہتی ہیں، مگر پانی میں رہنے والی ہر چیز کو مچھلی نہیں کہہ سکتے۔ ہم ان کو مچھلی کہہ دیتے ہیں، مگر ان میں مچھلیوں والی کوئی بات نہیں ہے۔" چچا جان نے جواب دیا۔

بچے مچھلیوں کے بارے میں بہت شوق سے سن رہے تھے، مگر بس آچکی تھی۔ گفتگو ختم ہوئی۔ بچے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ وہ یہ سوچ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا حیرت انگیز مخلوقات تخلیق فرمائی ہیں، بس انسان غور و فکر نہیں کرتا!!!!

ان دنوں تانیہ اور تیمور کے امتحان سر پر آگئے تھے۔ لہٰذا دونوں ہر وقت پڑھائی میں مصروف نظر آتے تھے۔ امی اپنے کاموں میں مشغول ہوتی تھیں، لیکن گاہے گاہے ان کے کمرے کا چکر بھی لگا لیتیں۔ ایک دن انھوں نے دیکھا تیمور "برسات کا ایک دن" پر مضمون یاد کر رہا ہے۔ کچھ دیر بعد جب وہ دوبارہ وہاں آئیں تو تیمور کو اسم کی تعریف یاد کرتے دیکھا۔

"کیا مضمون یاد ہو گیا؟" انھوں نے پوچھا۔ "نہیں، امی مضمون بہت بڑا ہے۔ میں پہلے تعریف یاد کر رہا ہوں۔" تیمور بولا۔ امی واپس لوٹ گئیں۔ کام سے فارغ ہو کر امی پھر وہاں آئیں اور بولیں۔ "لاؤ، مجھے اسم کی تعریف سناؤ۔"

"امی وہ ابھی یاد نہیں ہوئی۔ اب میں پہلے درخواست یاد کر رہا ہوں۔" تیمور بولا۔

"کیا مطلب؟ یعنی تم نے پہلے مضمون شروع کیا پھر اسم تعریف یاد کرنے لگے اب درخواست پر چلے گئے ہو۔" امی حیرت سے بولیں۔

"جی امی وہ دونوں کچے پکے یاد کیے ہیں۔ پھر خیال آیا، درخواست کچھ آسان ہے، پہلے اسے یاد کر لوں۔ انھیں بعد میں کر لوں گا۔"

"پہلے لگ کر ایک چیز یاد کرنی چاہیے۔ لاؤ مجھے سناؤ جو تم نے یاد کیا ہے۔"

تیمور نے اٹک اٹک کر مضمون کا ایک پیرا گراف سنایا۔ اسے تعریف بھی ٹھیک طرح یاد نہ تھی۔

امی نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولیں۔ "پہلے تعریف یاد کرو۔ اس کے الفاظ آسان ہیں۔ میں تمھیں پندرہ منٹ دے رہی ہوں۔"

پھر وہ تانیہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔ پتا چلا تانیہ نے پہلے درخواست یاد کرنی شروع کی تھی، پھر سوال جواب کرنے لگی۔ اب خالی جگہ یاد کر رہی ہے۔ امی نے سر پکڑ لیا پھر بولیں۔ "یہ غلط طریقہ ہے۔ ایسا کرنے کو تمھیں کون کہتا ہے؟"

"کوئی نہیں امی، اس طرح ہم سب چیزوں پر نظر رکھ لیتے ہیں۔" تانیہ بولی۔

"نہیں یہ غلط ہے۔ اس طرح تم کچھ بھی یاد نہیں کر سکو گے۔" پھر انہوں نے تانیہ کو پہلے خالی جگہ یاد کرنے کو دیں۔ جلد ہی اس نے یاد کر کے سنا دیں تو درخواست یاد کرنے بیٹھ گئی۔ اب امی ان پر بھرپور نظر رکھ رہی تھیں۔

◆◆◆

اگلے دن، صبح سے ہی بارش کا موسم ہو رہا تھا۔ دوپہر تک آسمان بادلوں سے گِھر گیا اور ہلکی بوندا باندی ہونے لگی۔ دونوں بہن بھائی بار بار کھڑکی کی طرف دیکھ رہے تھے اور اشاروں میں باتیں بھی کر رہے تھے۔ پھر دونوں مل کر امی کے پاس آئے اور بولے۔ "امی! موسم بہت اچھا ہے کیوں نہ ہم کچھ دیر کے لیے پڑھائی سے وقفہ کر لیں۔"

امی نے کچھ سوچا پھر بولی۔ "چلو ٹھیک ہے بس آدھا گھنٹا۔ اس سے زیادہ نہیں۔"

"ٹھیک ہے امی ہم دروازہ کھول کر سیڑھیوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ گلی میں اور بچے بھی موجود ہیں۔" تانیہ بولی۔

امی نے انہیں اجازت دے دی۔

رِم جِھم مینہ برس رہا تھا۔ درخت دھل کر نکھر گئے تھے اور پر نالا بھی بہ رہا تھا۔ مگر وہ سردیوں کی بارش تھی۔ اس لیے کوئی نہا نہیں رہا تھا۔ پھر انھوں نے دیکھا گھر کے آگے دیوار کے ساتھ پانی بہتا ہوا جا رہا ہے۔ تیمور بولا۔ "چلو اس میں کشتیاں بنا کر چھوڑتے ہیں۔"

تانیہ فوراً تیار ہو گئی۔ دونوں اندر گئے اور کشتیاں بنائیں۔ تانیہ بولی۔ "امی ہم کشتی چلا رہے ہیں۔ آپ بھی آجائیں، مزہ آئے گا۔"

امی بھی دروازے پر چلی آئیں۔ پہلے تانیہ نے اپنی کشتی پانی میں چھوڑی۔ وہ تیزی کے ساتھ تیری، لیکن کچھ دور جا کر الٹی اور ڈوب گئی۔ پھر تیمور نے اپنی کشتی چھوڑی۔ وہ اچھے کاغذ کی بنی ہوئی تھی۔ وہ تیرتی چلی گئی اور موڑ پر جا کر غائب ہو گئی۔ تیمور چلایا۔ "دیکھو! میں جیت گیا میری کشتی تیرتی رہی۔"

تانیہ نے منہ بنا لیا۔ دونوں اسی طرح کھیلتے رہے۔

جب آدھا گھنٹا گزر گیا تو امی نے آواز لگائی۔

"چلو بس اب اندر آجاؤ۔"

دونوں گھر میں آگئے. امی نے انھیں تولیہ دیا۔ انھوں نے ہاتھ منہ پونچھے اور کپڑے تبدیل کیے کچھ دیر بعد امی نے ان کے لیے پکوڑے اور چائے بنائی۔ وہ برآمدے میں بیٹھ کر کھانے لگے۔ اب ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ انھیں بہت لطف آ رہا تھا۔ چائے پیتے ہوئے امی بولیں۔ "تم نے دیکھا تمہاری کشتیاں کس طرح چلیں؟"

"اں امی! میں اچھی کشتی بناتی ہوں، لیکن میری کشتی جلدی کیوں ڈوب گئی؟"

"اس کی وجہ یہ تھی کہ تم نے کشتی بنانے کے لیے اچھا کاغذ استعمال نہیں کیا تھا۔ جب کہ تیمور کا کاغذ اچھا تھا۔ اس مثال سے تم سمجھ سکتے ہو کہ جس چیز کی بنیاد اچھی ہو۔ وہ مضبوط ہو گی اور زیادہ چلے گی۔ لکڑی کی کشتی کاغذ سے اور لوہے کی کشتی لکڑی سے زیادہ چلتی ہے۔ تمھیں اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ جب تک ایک کام کو پورا نہ کر لو دوسرا شروع نہ کرو۔ اس طرح وہ کام اچھا ہو گا۔

دونوں بہن بھائی مسکرائے اور بولے۔ "ہاں امی! ہم سمجھ گئے آپ کا اشارہ کدھر ہے۔ اب ہم ایک ہی چیز پہلے یکسوئی سے یاد کریں گے اور دوسری بعد میں شروع کریں گے۔"

یہ سن کر امی مسکرا کر سر ہلانے لگیں۔

ہرفن مولا

ڈاکٹر الماس روحی

وہ ایک بڑا پرانا اور گھنا درخت تھا۔ وہ جب نانی اماں کے گاؤں جاتی۔ اسے پیپل کا وہ درخت بڑا اچھا لگتا جو نانی کے گھر کے دروازے سے ذرا فاصلے پر کھڑا تھا۔ سَر سَر سَر کرتے پتّے تیز ہواؤں سے شور کرتے سنائی دیتے۔ بڑے بوڑھوں سے اس نے یہی کہتے سنا تھا کہ یہ درخت ان کے بچپن میں بھی ایسا ہی تھا اور اتنا ہی بڑا تھا۔ وہ سوچ کر حیران رہ جاتی کہ کیا یہ درخت صدیوں پرانا ہے۔ وہ روز شام کے وقت درخت کے نیچے اپنے خالہ زاد، ماموں زاد بہن بھائیوں کے ساتھ کبھی چھُپن چھپائی، کبھی پکڑم پکڑائی اور کبھی آنکھ مچولی کھیلتی، سب بچے اسی درخت کے نیچے کھیلنا پسند کرتے اور اگر اسے کتاب پڑھنا ہوتی تو وہ اس درخت کے نیچے بیٹھ کر پڑھتی۔

اس درخت کی ٹھنڈی میٹھی چھاؤں بڑے بوڑھوں کو بھی اچھی لگتی تھی، اس لیے اکثر وہ بڑے بوڑھوں کو کبھی صبح کبھی شام درخت کے نیچے چارپائی بچھا کر اس پر بیٹھتے اور گُڑ گُڑ گُڑ کر کے حقّہ پیتے دیکھتی۔ سب اپنی اپنی گائیں، بیلوں، بھینسوں، بکریوں اور بھیڑوں کی باتیں کرتے۔ اسے اُن کی باتیں سن کر بڑا مزہ آتا۔ فضلو چاچا کہتے "میری بالی (بھینس)! آج کچھ نہیں کھا رہی۔ سویرے سے سست کھڑی ہے۔ ارے فضلو منجھ (بھینس) ایک جگہ بندھی رہے گی۔ سست تو ہو جائے گی۔ جناور (جانور) بھی تبدیلی چاہتے ہیں۔ ارے بالی کو چلا پھرا چراگاہ ہی تک لے جا۔ دیکھنا پھر ٹھیک ہو جائے گی۔" چاچا دین محمد کی بات پر وہ کیا، سب لوگ گردن ایسے ہلاتے جیسے مریض ڈاکٹر کی ہدایت سن کر ہلاتا ہے۔ اُسے ہنسی آئی۔ "مائرہ بیٹا! کتاب ختم ہو گئی تو آجاؤ، کھانا کھالو۔" نانی اماں کی آواز پر وہ کھانا کھانے چلی جاتی۔ اُسے اب درخت سے محبت ہو گئی تھی، جیسے یہ درخت اُس کا دوست ہو۔ اس درخت پر گلہریاں بھی رہتی تھیں۔ اس کا تنا بہت بڑا تھا۔ چیونٹے، چیونٹیاں اس کے تنے پر قطار بنا کر سپاہیوں کی طرح صبح و شام چلتے پھرتے دکھائی دیتے تھے۔ شدید گرمی میں اس درخت کے سائے میں وہ کیا سارے بچے کھیلنا کودنا چاہتے تھے۔ اس کی چھاؤں بڑی گہری ٹھنڈی تھی۔ کتاب پڑھتے ہوئے تیز ہوا کے جھونکے اسے یوں لگتے تھے، جیسے درخت کی ساری شاخیں اچانک پیار کرنے کے لیے اس پر جھک گئی ہوں۔

جون کے مہینے میں اس درخت پر کوئل بھی آکر بیٹھتی اور صبح و شام کوکتی، چڑیاں گیت گاتیں۔ تیز ہوا سے پتے گرتے۔ بچے چن کر گھر لے جاتے۔ سب بچوں نے چاچا دین محمد کو یہ کہتے سنا تھا کہ پیپل کے پتے کو تکیے کے نیچے رکھ کر سویا جائے تو یہ آٹھ آنے کا سکّہ بن جاتا ہے۔ اس نے بھی ایک روز پیتل کا پتّا اٹھایا جو پان کی شکل کا تھا۔ پان اُس نے اپنی نانی اماں کو کھاتے دیکھا تھا۔ اس رات اس نے تکیے کے نیچے پیپل کا پتّا رکھتے ہوئے بہت دعا کی تھی، کاش! اُسے آٹھ آنے مل جائیں۔ وہ کاکا خیرو کی مدد کرنا چاہتی تھی، مگر ایسا نہیں ہوا۔ کاکا خیرو بہت غریب آدمی تھا، جو بولنا نہیں جانتا تھا۔ گونگا تھا، اس نے ہمیشہ دن رات کاکا خیرو کو لوگوں کے کام کرتے دیکھا، کبھی گائے بکریوں کا دودھ دھوتے، کبھی کسی کے لیے لوہے کا صندوق بناتے۔ کبھی بستر کو دھوپ لگاتے۔ کبھی گلی کی جھاڑو دیتے اور کبھی چارپائی بُنتے۔ چاچا دین محمد اکثر کہتے تھے: "اللہ نے اسے زبان نہیں دی، لیکن اُسے ہر ہنر سکھا دیا۔ یہ خیرو تو ہر فن مولا ہے۔"

ہر فن مولا کاکا خیرو سے اکثر لوگ مفت میں محنت کا کام کروا لیتے۔ کوئی ان سے بھیڑ بکری دھونے کو کہتا، کوئی اپنا گھر جھڑواتا، کوئی اپنے کھیت کی فصل کٹواتا، کوئی اپنے باغ کے درختوں پر سے پھل اتراتا۔ اپنے ایسے ہر کام کے بدلے لوگ ایک پیالی چائے یا لسی کا گلاس تھما دیتے۔ اچانک کاکا خیرو بیمار پڑا۔ اب وہ اس درخت کے نیچے نہیں بیٹھتا تھا۔ دوسرے روز مائرہ کے نانا جان نے اسے پیٹھے کی مٹھائی کھانے کے لیے پیسے دیے۔ مہرو نے وہ پیسے اور سارے بچوں کو کاکا خیرو کے علاج کے لیے پیسے جمع کرنے کو کہا۔ یوں بچوں کے پاس سے بہت پیسے نکل آئے اور سب نے مل کر کاکا خیرو کا علاج کروایا۔ گاؤں کے سارے بڑے شرمندہ تھے۔ کاکا خیرو سے کام کروانے والے اپنے کاموں کے لیے پریشان ضرور تھے، لیکن کسی نے بھی اس کے علاج کے لیے نہیں سوچا تھا۔

دین محمد چاچا نے اسی درخت کے نیچے گاؤں والوں کو جمع کیا۔ کاکا خیرو سے ہر کام کروانے کی اُجرت کو طے کیا۔ کاکا خیرو بہت خوش ہوا اور تشکّر بھری نگاہوں سے سب بچوں کی طرف دیکھا۔ اس درخت تلے کتنی اچھی اچھی کہانیاں اس نے سنیں اور دیکھیں، وہ نانی اماں کے گھر اسی لیے جاتی تھی، جب چھٹیاں ختم ہو جاتیں، اسکول کھل جاتے تو اسے یہ درخت بڑا یاد آتا تھا۔ پھر یوں ہوا ایک روز وہ اپنی نانی اماں کے گھر گئی تو وہ وہاں نہیں تھا۔ اسے شدید صدمہ ہوا۔ اس درخت کے بغیر نانی کا گھر ادھورا ادھورا لگ رہا تھا۔ نانی اماں نے بتایا یہاں پکّی سڑک بننے والی ہے، اس لیے لوگوں نے اس درخت کو کاٹ دیا ہے۔ "لیکن نانی اماں وہ درخت بہت اچھا تھا۔ اس پر بہت سے پرندے آکر بیٹھتے تھے۔ چڑیوں نے تو گھونسلے بنا رکھے تھے۔"

”ہاں بیٹا! سب بچوں کو اس درخت سے بڑا پیار تھا۔ بچے اس کے سائے تلے کھیلتے تھے۔ بڑی رونق رہتی تھی‘ جب وہ درخت کٹا تو ہر بچہ رو رہا تھا‘ کاکا خیرو بھی اداس تھا۔ محلے کے بزرگوں نے بچوں کو سمجھایا کہ پختہ سڑک بننے سے ہمارے آنے جانے میں آسانی ہو گی گاؤں ترقی کرے گا۔“ تھوڑی دیر بعد کاکا خیرو نے اسے قلم دان لا کر دیا۔ نانی اماں مسکرادیں۔ ”بیٹا! کاکا خیرو نے اس درحت کی لکڑی سے ہر بچے کو قلم رکھنے کا صندوق بنا کر دیا ہے۔“ خوب صورت سے قلم دان ہاتھ میں لیتے ہوئے اس نے دیکھا۔ کاکا خیرو نے اس پر رنگ بھی کر رکھا تھا۔ خوب صورت پھول بوٹے بنا رکھے تھے۔ سچ چاچا دین محمد کاکا خیرو کو ہر فن مولا کہتے ہیں۔ اس نے کاکا خیرو کا مسکراتے ہوئے شکریہ ادا کیا۔

رات اسے نیند نہ آئی رہ رہ کر اسے درخت کٹنے کا خیال آتا رہا۔ اس نے تو اپنی استانی سے سنا تھا کہ درخت لگانا صدقہ جاریہ ہے۔ نیکی کا کام ہے۔ ہم انسانوں میں کچھ لوگ کتنے ظالم ہوتے ہیں۔ قدرت کی نعمت کی قدر نہیں کرتے اور انھیں کاٹ دیتے ہیں۔ اس کے اسکول میں ہفتہ شجر کاری ہوئی۔ یہ تصویر سازی کا مقابلہ تھا۔ اس نے نانی کے گھر کے پاس کھڑے اسی پیپل کے درخت کی تصویر بنائی اور اس کے آس پاس بچوں کو کھیلتے اور پڑھتے ہوئے بھی دکھا دیا اور درخت کو مسکراتے ہوئے دکھایا‘ جیسے وہ کہہ رہا ہو: ”اے انسانو! مجھے مت کاٹو‘ مجھے تم سے بہت پیار ہے۔“ مائرہ کو اس تصویر سازی کے مقابلے میں پہلا انعام ملا۔ دیکھنے والوں نے اسے بہت پسند کیا۔ استانی جی نے شاباشی دیتے ہوئے کہا: ”مائرہ! بھئی آپ تو ہر فن مولا ہیں۔ ہر کام اچھا کر لیتی ہیں۔“ اسے کاکا خیرو یاد آئے جو درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ کر ہر کام آسانی سے کر لیتے تھے اور چاچا دین محمد انھیں ہر فن مولا کہتے تھے۔

الفاظ۔ معنی

چھاؤں۔ سایہ
چراگاہ۔ ایسی جگہ جہاں گھاس زیادہ ہو
پیٹھے۔ ناریل
خاموش اظہار
رونق۔ چہل پہل
جاننے والا
صدقۂ جاریہ۔ وہ نیکی جس کا اجر و ثواب ہمیشہ ملتا ہے
تصویر سازی۔ منظر بنانا
سست۔ کاہل
کوکتی۔ کوئل کا کُو کُو کرنا۔
تشکر بھری نگاہیں۔ شکریہ کہنے کا
تلے۔ نیچے
ہر فن مولا۔ (ضرب المثل) ہر ہنر
شرمندہ۔ نادم ہونا
قلم دان۔ قلم رکھنے کا ڈبا

آدھی گاجر

حفصہ محمد فیصل

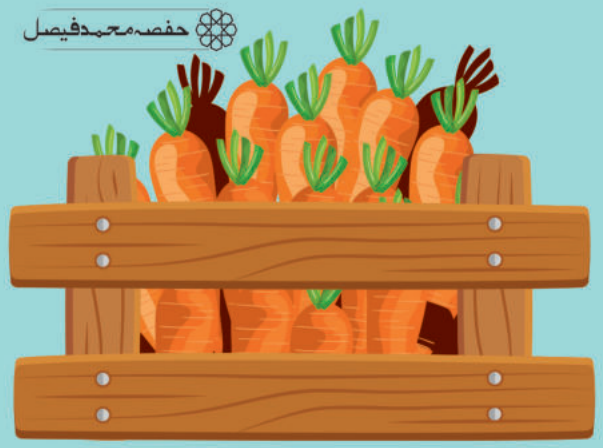

ایمن کیا کروں میں تمھارا؟ باورچی خانے کے کاؤنٹر پر پھر ادھوری گاجریں پڑی تھیں۔ اور امی افسوس سے سر ہلا رہی تھیں۔

◆◆◆

ایمن یوں تو ایک پیاری بچی تھی‘ خوش اخلاق اور سب کا ادب کرنے والی مگر اس کی ایک عادت بہت بری تھی۔ وہ کھانے کی چیزیں ادھوری چھوڑ دیتی اور کبھی کبھی تو وہ ادھوری چیز کوڑے دان میں ہی پھینک دیتی۔ امی ایمن کی اس عادت کو سخت ناپسند کرتی تھیں۔ کئی دفعہ انہوں نے اسے سمجھایا بھی تھا کہ

”اناج کی ناقدری اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔“

مگر ایمن ایک کان سے سنتی اور دوسرے سے نکال دیتی۔ اور دوبارہ یہی حرکت کرتی۔ آج بھی ایمن نے آدھی گاجریں کھا کھا کر باورچی خانے کے کاؤنٹر پر چھوڑ دی تھیں۔ اب امی ان کو سمیٹتے ہوئے ایمن کو صحیح سبق سکھانے کے متعلق کچھ سوچ رہی تھیں۔

پھر جلد ہی امی کو وہ موقع مل ہی گیا۔

◆◆◆

ایمن اور امی آج زویا خالہ کے گھر دوپہر کے کھانے پر جا رہی تھیں۔ ایمن کے ابو کا دفتر جانا ضروری تھا‘ اس لیے ان کو چھوڑنے نہیں جا سکتے تھے زویا خالہ کے گھر سے ایک گلی پہلے آٹو رکشہ میں کچھ خرابی ہو گئی اور انہیں وہاں سے پیدل جانا پڑا۔ راستے میں کوڑے دان کے قریب تین بچوں کی لڑائی ہو رہی تھی۔ تینوں بچوں کے میلے کپڑے ان کے غریب ہونے کا پتا دے رہے تھے۔ ایمن ان تینوں کو لڑتا دیکھ کر رک گئی۔ امی نے پہلے تو ایمن کو وہاں سے ہٹانا چاہا‘ مگر ایک آواز نے امی کے قدم جکڑ لیے۔

”یہ آدھی گاجر پہلے مجھے ملی تھی اور وہ روٹی اس کی تھی‘ تو بعد میں آیا تھا“۔ یعنی دو بچے ایک طرف اور تیسرا دوسری طرف تھا۔

امی یہ جملے سن کر ایمن کے تاثرات دیکھ رہی تھیں۔ جو غور سے ان کو ہی دیکھ رہی تھی۔

◆◆◆

ارے واہ ایمن! آپ نے تو کھانے کی پلیٹ ایسے صاف کی ہے کہ اب اسے دھونے کی ضرورت بھی نہیں۔ ”زویا خالہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

”نہیں خالہ ایسی بات نہیں‘ بس اتنا کھانا نکالا جتنا کھانا تھا۔“

ایمن کے جواب نے امی کو حیران کر دیا۔

ایمن کو اس واقعے نے کھانے قدر کرنا سکھا دی تھی کہ ہم جس کھانے کو جھوٹا کر کے چھوڑ دیتے یا پھینک دیتے ہیں وہ کسی غریب کے لیے کتنا اہم ہوتا ہے۔ اب ایمن گاجر‘ پھل اور کھانے کی چیزیں اتنی ہی لیتی جتنی اسے ضرورت ہوتی اور اب کسی بھی چیز کو ضائع نہیں کرتی تھی۔

دیکھا بچو! ایمن کتنی اچھی بچی بن گئی۔ کہیں آپ بھی کھانے کی چیزیں ادھوری تو نہیں چھوڑتے اور اسے ضائع تو نہیں کرتے؟؟

طلسماتی کہانی

محمد فیصل علی

عادل اُردو اَدب کاطالب علم تھا۔آج کل وہ ایک تحقیقی مقالہ لکھ رہاتھا۔اس کا موضوع تھا ”میجک رئیل ازم“ جسے اردو میں ”جادوئی حقیقت نگاری“ کہتے ہیں۔وہ صبح سے اپنے تحقیقی کام میں مستغرق تھا۔اسے اپنے ارد گرد کا کوئی ہوش نہ تھا۔اس کی میز پہ کتابوں کاایک ڈھیر لگا ہوا تھااور وہ ان کے مطالعے میں پوری طرح منہمک تھا۔مطالعے کے ساتھ ساتھ وہ اہم نکات اپنی ڈائری میں نوٹ کرتا جارہا تھا۔کام کے دوران اسے ایک کتاب کی ضرورت محسوس ہوئی تو وہ تیزی سے اٹھااور اپنی الماری سے ایک کتاب اٹھائی‘اسی لمحے اس کی نظر لکڑی سے بنی اس الماری کے ایک کونے پہ پڑی اور اس نے بے اختیار اپنا سر پکڑلیا۔ابھی ایک ہفتہ پہلے ہی تو اس نے ”دیمک“ سے بچاؤ کے لیے الماری پہ ایک مخصوص اسپرے کرایا تھااور اب اسے دوبارہ دیمک کے تازہ نشانات نظر آرہے تھے۔

”کیا کروں اس بلا کا؟“

وہ بڑبڑایا‘چوں کہ اس کی ذھنی یک سوئی متاثر ہوئی تھی‘اس لیے اب اس کا جی کام میں نہیں لگ رہا تھا۔اس نے کتاب میز پر رکھی اور پھر دیمک کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کی ٹھان لی۔اس نے اسپرے کی بوتل اٹھائی جس میں مٹی کا تیل بھرا ہوا تھا۔

”ابھی دیکھتا ہوں تجھے!!!“

عادل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ابھی اس نے اسپرے شروع نہیں کیا تھا کہ ایک باریک سی آواز سنائی دی:

”رکو!!!اے انسان‘رکو!!“

اس نے چونک کراِدھر اُدھر دیکھا‘مگر وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا‘اسی اثنا میں اس کی نگاہ ایک ننّھی سی سفید مخلوق پہ پڑی‘چوں کہ الماری پہ سیاہ رنگ کیا گیا تھا‘اس لیے یہ سفید مخلوق صاف نظر آرہی تھی۔اس کی جسامت چھوٹے مکوڑے جتنی تھی۔اسی لمحے دوبارہ آواز آئی:”مجھے سنو اے انسان!!!“

”ہائیں!!کیا تم دیمک ہو؟؟اور کیا تم بول سکتی ہو؟“عادل حیرت زدہ رہ گیا۔

”بالکل درست پہچانا‘ظاہر ہے کہ یہ میں ہی بول رہی ہوں۔“ باریک آواز سنائی دی۔

”مگر یہ۔۔۔یہ کیا ہے؟؟یہ کیسے ممکن ہے؟“عادل ہکلایا۔

”یہ ممکن ہے۔یہی تو ”میجک رئیل ازم اور جادوئی حقیقت“ ہے‘جس پہ تم ریسرچ کررہے ہو۔“دیمک نے ہنس کر کہا۔

”اوہ!! اب سمجھا‘مطلب حقیقی واقعات کے ساتھ ساتھ جادوئی‘طلسماتی عناصر کا ظہور!“عادل بڑبڑایا۔

”بالکل درست“ دیمک چہک کر بولی۔”ٹھیک ہے‘میں سمجھ گیا‘لیکن تم نے مجھے کیوں پکارا؟“عادل نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

”تم ہمیں مارنے ہی والے تھے‘اس لیے تمہیں اس کام سے روکنے کے لیے پکارا۔“دیمک نے بتایا۔

”اچھا!!!تو کیا میں تمہارے کہنے سے رک جاؤں گا؟؟تم لوگوں نے تو میری الماری کا ستیاناس کردیا ہے۔“

عادل نے غصیلے انداز میں کہا۔

”بس ہم جانے والے ہیں۔لکڑی کا برادہ ہمارا من پسند کھاجا ہے اور ہم اپنے لیے کافی ذخیرہ اکٹھا کرچکے ہیں‘اگر تم ہمیں چھوڑ دو تو۔۔۔۔۔“دیمک کہتے کہتے رک گئی۔

”تو کیا؟؟کیا تم مجھے آبِ حیات کا چشمہ ڈھونڈ کے دو گی؟“عادل طنزیہ انداز میں ہنسا۔

”نہیں‘اگر تم ہمیں چھوڑ دو تو میں تمہیں جادوئی حقیقت کی ایک قدیم اور سچی کہانی سناؤں گی۔“

”کیا واقعی“عادل حیرانی سے بولا۔”ہاں نا‘ہم انسانوں کی طرح جھوٹ نہیں بولتے۔“دیمک نے برا سا منہ بنا کر کہا تو عادل شرمندہ سا ہو گیا۔”اچھا تو پھر سناؤ!“عادل بولا‘اس نے اسپرے والی بوتل ایک طرف رکھ دی تھی۔

”یہ ہوئی نا بات!!اب سنو!!یہ ہزاروں سال پرانی بات ہے۔اللہ تعالی کے ایک نبی حضرت سلیمان علیہ السلام تھے۔ان کی حکومت شرق و غرب میں پھیلی ہوئی تھی۔اللہ تعالی نے ان کو کچھ خاص طاقتیں عطا فرمائی تھیں جو کہ معجزات کہلاتی ہیں۔وہ ہر جان دار‘انس و جن‘چرند و پرند کی بولی سمجھ سکتے تھے۔ہوا ان کے تابع تھی۔جنّات ان کے حکم کے پابند تھے۔ان کا تخت کافی وسیع و عریض تھا۔تخت کیا تھا‘یوں سمجھ لیں پورا محل تھا‘جس میں سینکڑوں کمرے تھے۔یہ تخت ہوا میں اڑتا تھااور ایک پہر میں مہینوں کا سفر طے کرلیتا تھا۔ان کے پاس دنیا کا سب سے عجیب لشکر تھا۔یہ لشکر میلوں تک پھیلا ہوتا تھا۔اس لشکر میں انسانوں کے علاوہ جنّات‘پرندے اور دیگر جانور بھی ہوتے تھے۔“

دیمک نے کہانی سناتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام کے کمالات بتائے۔عادل اثبات میں سر ہلاتا جارہا تھا کیوں کہ اسے ان واقعات کے بارے میں پہلے بھی علم تھا‘لیکن وہ یہ سب دیمک کی زبانی سننا چاہتا تھا۔دیمک پھر سے کہانی سنانے لگی:

”حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالی کے برگزیدہ نبی حضرت داؤد علیہ السلام کے فرزند تھے۔انھوں نے تمام مخلوقات پہ حکومت کی۔ان کی رعایا میں انسان‘حیوان‘جن اور پرندے سبھی شامل تھے۔اس دور میں جنّات بہت سرکش تھے۔ان کی طاقت اور عجیب و غریب کاموں کو دیکھ کر لوگ ان سے خوف کھاتے تھے۔اللہ تعالی نے یہ سرکش مخلوق بھی ان کے تابع کردی تھی۔انھوں نے جنّات سے ایسے کام لیے جو انسانی رسائی سے باہر بقیہ ص38پر

اور سوچ بدل گئی

محمد احمد رضا انصاری

کو کو کینگرو اچانک ہڑبڑا کر نیند سے بیدار ہوا تھا۔ اس نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر دائیں طرف اپنی ماں کے وجود کا احساس ہوتے ہی وہ اس کی آغوش میں دبک گیا۔۔۔

ان کے گھر کے باہر سے ویسی ہی پر شور عجیب سی آوازیں آ رہی تھیں جو وہ کچھ دن پہلے سن چکے تھے۔ ان آوازوں کے جنگل میں آتے ہی کو کو کے دوست چنگو بندر اور بیتو پانڈا پراسرار طور پر غائب ہو گئے تھے۔ کو کو کی ماں نے اسے بتایا تھا کہ یہ شور انسانوں کی گاڑیوں کا ہوتا ہے۔ انسان ان دنوں جنگل میں شکار کرنے کی غرض سے آتے ہیں۔ کو کو کی ماں نے اسے تاکید کی کہ وہ کچھ دن بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلے، ورنہ شکاری اسے بھی پکڑ کر لے جائیں گے، جیسے اس کے دوستوں کو لے گئے تھے۔

کو کو شکاریوں کا سن کر بہت خوفزدہ تھا۔ ان کے خوف کا اس پر اتنا اثر ہو چکا تھا کہ شکاریوں کی گاڑی کی آواز سنتے ہی وہ خوف سے اچھل پڑتا تھا۔

اس رات بھی اس کے اچانک جاگنے کی وجہ ایک بھاری گاڑی کی آواز تھی۔ وہ دیر تک اپنی ماں کی گود میں لیٹا دھیرے دھیرے کانپتا رہا تھا۔

کو کو اپنی ماں کے ساتھ آسٹریلیا کے ایک گھنے جنگل میں رہتا تھا۔ اپنی پیدائش کے ابتدائی ہفتے وہ ماں کی تھیلی میں رہا، پھر تھوڑا بڑا ہو چکا تو باہر نکل کر گھومنے پھرنے لگا۔ ان کا گھر ایک ٹیلے کی کھوہ میں تھا۔ موسم بہار کا آغاز ہو چکا تھا۔ سردی کی شدّت کم ہوتے ہی درجنوں انسان ان کے جنگل میں شکار کرنے اُمڈ آئے تھے۔ ان کے پاس کئی قسم کے ہتھیار اور جانور پکڑنے والے شکنجے تھے۔ اکثر جانوروں کو شکاری زندہ ہی پکڑتے تھے اور پھر انھیں پنجرہ گاڑیوں میں بٹھا کر شہروں میں فروخت کر دیتے۔ ان جانوروں کو چڑیا گھروں اور پارکوں میں رکھا جاتا تھا۔ شیر، زرافے، بندر، ریچھ اور زیبرے وغیرہ وغیرہ قسم کے جانوروں کو سدھایا جاتا تھا اور وہ جانور لوگوں کے سامنے کرتب اور مختلف کھیل پیش کرتے تھے۔ ان کھیلوں کے شوز پر مہنگے ٹکٹ لگائے جاتے تھے۔ یوں شکاریوں کو زندہ جانور پکڑنے کا دگنا تگنا فائدہ پہنچتا تھا۔

◆◆◆

ایک دن کو کو ندی کنارے نرم گھاس چر رہا تھا۔ اتنے میں اسے کچھ لوگوں کے بولنے کی آوازیں سنائی دی۔ کو کو نے اپنی ماں سے ہی سن رکھا تھا کہ انسان بہت ظالم ہوتے ہیں، لیکن اس نے ابھی تک کوئی انسان نہیں دیکھا تھا۔ کو کو کی ماں کچھ دور تھی۔ ماں کی نظر بچا کر کو کو ان درختوں کی طرف بڑھا، جن کے دوسری طرف سے ہوا کے دوش پر آتی آوازیں اسے سنائی دی تھیں۔

کو کو نے درخت کی اوٹ سے جھانکا۔ کچھ دور تین انسان بیٹھے تھے۔ ساتھ ہی ایک بڑی گاڑی کھڑی تھی جس کے پیچھے بڑا سا پنجرہ جڑا تھا۔ اس پنجرے میں بہت سارے چھوٹے جانور قید تھے۔ کو کو سمجھ گیا کہ وہ شکاری ہیں۔

ایک آدمی کی نظر کو کو پر پڑی۔ اس نے آنکھوں کے اشارے سے اپنے ساتھیوں کی توجہ کو کو کی جانب مبذول کرائی۔ وہ تینوں چپکے سے اٹھے اور اچانک اسے پکڑنے بھاگے۔ کو کو بوکھلا گیا اور پلٹ کر واپس بھاگا۔ وہ دو پاؤں پر اچھلتا ہوا تیزی سے ماں کے پاس بھاگ رہا تھا۔ دشمن مسلسل اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ کو کو کو بچہ سمجھ کر شکاریوں نے کوئی ہتھیار نہیں اٹھایا تھا۔ وہ اسے ترنوالہ سمجھ کر خالی ہاتھ ہی اس کے پیچھے دوڑ پڑے تھے۔

کو کو کی ماں نے بھی شکاریوں کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے کو کو کو تیز دوڑنے کو کہا۔۔۔ اور پھر ماں اسے ساتھ لے کر گھنی جھاڑیوں میں روپوش ہو گئی۔ شکاری پیچھے بس ہاتھ ملتے ہی رہ گئے۔

کو کو جان بچ جانے پر خوش تھا، لیکن ساتھ ہی اس کے دل میں انسانوں کے خلاف بہت ساری نفرت بھی بھر چکی تھی۔ اس کے نزدیک دنیا کی سب سے زیادہ ظالم اور درندہ صفت مخلوق انسان ہی تھا۔ کو کو نے اس دن کے بعد سے اکیلے کہیں آنے جانے سے توبہ کر لی۔

◆◆◆

مئی، جون کے مہینے آئے تو جنگل میں گرمی بڑھتی چلی گئی۔ دریا اور ندی کا پانی بھی دھیرے دھیرے خشک ہو رہا تھا۔ گرم لوئیں چلنے کی وجہ سے گرمی کی شدّت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ ایک دن تیز ہوا چلنے لگی۔ جنگل کے جانور خوش ہو گئے کہ موسم بہت خوش گوار ہو گیا تھا۔ ہوا بڑھتے بڑھتے آندھی کی شکل اختیار کر گئی۔ کو کو اور اس کی ماں آج جلدی اپنے گھر آ گئے تھے۔ باہر اب زور کے جھکڑ چل رہے تھے۔ ہوا کی شائیں شائیں ان کے دل دہلا رہی تھی۔ وہ خوف سے اپنے گھر میں دبکے بیٹھے تھے۔ دونوں ماں بیٹا کے چہرے موسم کی خرابی سے سفید پڑ گئے تھے۔ کو کو دل میں دعا کرنے لگا کہ اللہ پاک جلدی سے اس طوفان کو روک دے۔۔۔

ہوا اپنے ساتھ بادلوں کو لے آئیں اور پھر بجلیاں کوندنے لگیں۔ بادلوں کی گڑگڑاہٹ سن کر کو کو کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور وہ اپنی ماں سے چمٹ گیا۔

طوفان کی شدّت لحظہ بہ لحظہ بڑھتی ہی گئی تھی۔

اچانک باہر یکے بعد دیگرے کئی دھماکے ہوئے۔ ساتھ ہی بہت سارے جانوروں کے چیخنے چلاّنے کی آوازیں بھی سنائی دیں۔

"یہ۔۔۔یہ۔۔کیا ہوا ماں۔۔۔؟" کو کو خوفزدہ لہجے میں بولا۔

"لگتا ہے کہیں آسمانی بجلی گری ہے۔ درختوں کے گرنے سے یہ دھماکے ہوئے"۔۔۔اس کی ماں نے پریشان آواز میں نے بتایا "تم سونے کی کوشش کرو کو کو۔۔۔لگتا ہے یہ طوفان اب نہیں ٹلے گا۔۔۔شاید پوری رات جاری رہے۔" ماں کے کہنے پر کو کو نے آنکھیں بند کر لیں۔۔۔کچھ دیر بعد وہ سو چکا تھا۔۔

آدھی رات کا وقت تھا' جب اچانک دونوں کا دم گھٹا اور ان کی جلدی سے آنکھیں کھل گئی۔ دیکھا تو کھوہ میں دھواں ہی دھواں بھرا تھا۔

"کو کو جلدی باہر نکلو' لگتا ہے جنگل میں آگ بھڑک اٹھی ہے"۔۔۔ماں زور سے چلائی اور کو کو کو ساتھ لے کر کھوہ سے باہر لپکی۔۔۔

باہر آسمانی بجلی نے ہر طرف آگ ہی آگ لگا دی تھی۔ تیز ہوا اس آگ کو ہر گزرتے لمحے پھیلاتی ہی جا رہی تھی۔ بہت سے زخمی جانور تکلیف سے چیخ رہے تھے' کچھ جل کر بالکل کوئلے کا روپ دھار چکے تھے۔ کو کو سے یہ مناظر دیکھے نہ گئے۔ وہ جان بچانے کے لیے آگ کے مخالف سمت بھاگنے لگے۔ راستے میں انھیں اپنے کئی پڑوسی ملے جو پناہ کی تلاش میں بھاگے چلے جا رہے تھے۔ دھوائیں کی وجہ سے ان کی آنکھیں خراب ہو رہی تھیں اور راستہ ٹھیک سے دکھائی نہیں دے رہا تھا' مگر جان بچانے کی جستجو میں وہ بس اندھا دھند دوڑے چلے جا رہے تھے۔ راستے میں کئی جگہ آگ لگی نظر آئی۔ وہ جلتے درختوں سے بچتے ہوئے راستہ بدل لیتے تھے۔

کو کو بھاگتے بھاگتے نیم جان سا ہو گیا تھا۔

"ماں! مجھ سے اب اور نہیں چلا جاتا۔" وہ راستے میں گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔۔۔

"کو کو بیٹا' ہمت مت ہارو! ہم خطرے میں گھرے ہیں۔ چاروں طرف جلتے درخت اور دھواں ہے۔ بہت سے جانور آگ کا شکار بن چکے ہیں۔ ہمیں حوصلے سے کام لینا ہو گا۔ شاباش اٹھو اور دوڑو۔۔۔" ماں نے پاس بیٹھ کر سمجھایا۔

"لیکن ماں۔۔۔" کو کو رو دیا۔ اس کی ٹانگیں اتنا زیادہ چلنے سے بے جان سی ہو گئیں تھیں اور اب وہ مزید ایک قدم بھی نہیں اٹھا پا رہا تھا۔

ماں اس کی حالت سمجھ گئی۔ اس نے کچھ کہنے سے گریز کیا اور کو کو کو اٹھا کر اپنی تھیلی میں ڈال لیا۔ کو کو کا آدھا جسم اب تھیلی میں تھا' آدھا ماں نے تھام لیا تھا' تاکہ وہ باہر نہ گر پڑے۔

کو کو کے بوجھ سے ماں کی رفتار بہت کم رہ گئی تھی' لیکن وہ ماں تھی' اپنے بچے کی زندگی بچانے کے لیے جیسے تیسے کر کے بھاگ رہی تھی۔

آخر وہ آگ کو پیچھے چھوڑ آئے۔ ایک جگہ اس کی ماں تھک کر بیٹھ گئی۔ وہ ایک میدان میں تھے' جہاں ہزاروں جانور موجود تھے' کچھ معمولی زخمی تھے اور کئی بہت زیادہ جل چکے تھے۔ بہت سے جانور اپنے پیاروں سے بچھڑ چکے تھے اور اب انھیں یاد کر کے خوب رو رہے تھے۔

بھوک پیاس سے سب کا برا حال تھا۔ لیکن یہاں کھانے پینے کے لیے کچھ نہ تھا اور پھر ایک عجیب بات ہوئی۔

کئی گاڑیاں آگے پیچھے دوڑتی میدان کے سامنے آ رکیں۔ فضا میں کئی جہاز اور ہیلی کاپٹر اڑتے نظر آئے جو آگ بجھانے جنگل کی جانب پرواز کر رہے تھے۔

بہت سے انسان ان کی طرف بڑھے اور زخمی جانوروں کو اٹھا اٹھا کر ایمبولینسز میں ڈالنے لگے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ کوئی بھی جانور انسانوں سے نہ گھبرایا اور انسان بھی انھیں یوں پیار کر رہے تھے' جیسے وہ انہی کی برادری کے ہوں۔۔۔ایک چھوٹی سی بچی کو کو کے پاس آئی اور اسے اٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیا۔ اپنے ساتھ لائے بیگ سے اس نے ایک فیڈر نکالا اور کو کو کے منہ سے لگا دیا۔ کو کو جلدی جلدی دودھ پینے لگا۔

مصیبت کی اس گھڑی میں انسان جیسے ان کی مدد کرنے بھاگے آئے تھے' یہ بات کو کو کے لیے حیران کن تھی۔ وہ تو سب انسانوں کو ایک سا ظالم سمجھتا تھا' لیکن آج اس کی یہ سوچ بدل گئی تھی۔۔۔

"سب انسان ایک جیسے نہیں ہوتے۔ تھوڑے سے برے لوگوں کی وجہ سے ہم سب کو ایک ہی صف میں کھڑا نہیں کر سکتے۔ کچھ انسان بہت اچھے بھی ہوتے ہیں' جیسے یہ پیاری سی بچی۔۔۔" کو کو نے سوچا اور مسکراتے ہوئے دودھ پینے لگا۔۔۔

تھے' جیسے سمندر سے ہیرے جواہرات نکالنا' بڑے بڑے بُرج اور قلعے تعمیر کرانا وغیرہ۔"

جب آپ علیہ السلام بیت المقدس کی تعمیر کرا رہے تھے تو یہ کام جنّات کے ذمے تھا۔ آپ علیہ السلام ان کی نگرانی کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آن پہنچا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی عبادت کی جگہ پر پہنچے۔ یہ محراب شیشے سے بنا ہوا تھا۔ آپ نے عبادت کی اور پھر اپنی لاٹھی کے سہارے کھڑے ہو کر جنّات کے کام کا معائنہ کرنے لگے۔ اسی دوران ان کے پاس ملک الموت آ پہنچا اور ان کی روح قبض کر لی۔ وفات کے بعد بھی آپ اس لاٹھی کے سہارے کھڑے رہے' جنّات جب یہ دیکھتے کہ آپ علیہ السلام نگرانی پہ موجود ہیں تو وہ اسی جوش و جذبے سے کام کرتے رہتے' یہاں تک کہ ایک سال گذر گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ہماری جنس کو یعنی دیمک کو وہاں بھیجا' جس نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی لاٹھی کو کھا لیا' وہ لاٹھی اندر سے کھوکھلی ہو گئی اور یوں آپ علیہ السلام گر پڑے' تب جنّات کو خبر ہوئی کہ آپ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔"

"اب اس کا کیا مطلب؟ کیا تم اپنا کارنامہ بتا رہی ہو کہ تم نے وہ لاٹھی کھائی تھی۔" عادل ہنسا۔

"نہیں' یہ کارنامہ تو نہیں' بس اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجاآوری تھی' میں تو یہ بتانے جا رہی تھی کہ ہماری وجہ سے جنّات کی بے بسی ثابت ہوئی' ورنہ لوگ تو انھیں عالم الغیب سمجھنے لگے تھے۔ اس واقعے کے بعد لوگوں پہ یہ ظاہر ہو گیا کہ جنّات بھی غیب کا علم نہیں رکھتے۔ غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور بس۔" دیمک نے کہا۔

"بے شک" عادل اثبات میں سر ہلانے لگا تھا۔ اچھا' اب ہم جا رہے ہیں' وعدے کے مطابق ہمیں جانے دو اور ہم پہ حملہ نہ کرو' کیوں کہ ہم مٹی کے تیل سے بہت زیادہ ڈرتے ہیں۔" دیمک نے کہا۔

"ٹھیک ہے' جاؤ! لیکن اگر تم یا تمہارے لوگ دوبارہ آئے تو یہ اچھا نہیں ہو گا۔" عادل نے خبردار کیا۔

"ٹھیک ہے' ویسے ہم انسانوں کی طرح نہیں کہ اپنی بات سے پھر جائیں' بے فکر رہو۔"

دیمک نے ایک بار پھر انسانوں کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس کے بعد اس نے اپنے چھوٹے چھوٹے پروں کو ہلایا' عادل یہ دیکھ کر سمجھ گیا کہ وہ اپنی جماعت میں اچھے عہدے پہ فائز ہے' دیمک اب اڑنے لگی تھی۔ اس نے رک کر عادل کو دیکھا' جیسے اسے "خدا حافظ" کہہ رہی ہو۔ عادل نے بھی اپنے ہاتھ ہلا کر اسے الوداع کہا اور وہ اسے جاتے دیکھتا رہا۔

PERVAIZ UMAR
ENTERPRISE

Highly Experienced Clearing & Forwarding Agents
Advisors and Attorneys in Customs Cases

We are a leading CLEARING, FORWARDING concern operating in Pakistan. We excel to the entire satisfaction of our long list of clientele who have always reposted their complete confidence on us. Imbued with this sense of achievement, we are proud of our countrywide clientele of repute. We are approved and enlisted Clearing and Forwarding Agents of all Commercial and National Banks in Pakistan.

We have vast experience of handling more than 65% imports of Heavy Plants, Machinery and Turn-Key Projects of "Textile, Sugar, Cement and Power Sectors" besides other industrial raw material and commercial consignments, which have enabled us to adopt and handle all sorts of imports and have become our permanent business associates.

Head Office, Karachi
1st Floor, Commerce Centre, Hasrat Mohani Road
TEL: 021-32630724 - 32633641 FAX: 021-32633646
EMAIL: pervaizumar@hotmail.com
headoffice@pervaizumarenterprise.com

Branch Office, Lahore
19-G, Gulberg II, Lahore.
Tel: 042-35764929 - 35764933
Fax: 042-35764934

بچوں کے فن پارے

عکاشہ سلمان ،
سوم کراچی

ام ہانی حفظ
دیلی کالونی کراچی

ابریش فاطمہ

حفصہ عمران

حمنہ سہیل

عائزہ ہاشم

عبد الرحیم نوید

پیارے بچو!

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں نا کہ 23 مارچ 1940 کو ہمارے پیارے وطن پاکستان کی بنیاد ڈالی گئی یعنی قرارداد کب منظور ہوئی۔۔۔۔۔اور یہ قرارداد اس جگہ منظور ہو کی گئی تھی جہاں آج منار پاکستان ہے

اس قرارداد کے منظور ہونے کے سات سال بعد پاکستان وجود میں آیا۔۔۔اس دوران مسلمانوں نے اپنے لیے علاحدہ وطن حاصل کرنے کے لیے بہت سی جانیں قربان کر دیں۔۔۔۔

آج ہم آزاد ہیں اپنی مرضی سے اپنی مذہبی ذمے داریاں ادا کر سکتے ہیں۔۔۔پر سکون زندگی گزار رہے ہیں تو اس میں ہمارے بڑوں کی قربانیاں ہیں۔۔۔۔

کیوں نا ہم بھی اپنے پیارے وطن سے محبت کی ایک داستاں رقم کریں۔۔۔۔

اس وطن کی خدمت کر کے اس سے محبت کے تقاضوں کو پورا کر کے دنیا کو دکھا دیں۔۔۔۔

ہم وطن سے عشق کی کہانی کو ایک ایسا مقام دیں گے
لفظِ محبت جہاں بھی آئے گا لوگ صرف ہمارا نام لیں گے

ماہنامہ فہم دین
مارچ 2021ء کے سوالات

سوال نمبر: 1 حضرت علی کے قول کے مطابق تاجروں والی عبادت کون سی ہے؟

سوال نمبر: 2 گوریلے عام طور پر کہاں پائے جاتے ہیں؟

سوال نمبر: 3 ایان کے بیگ میں پیسے کہاں سے آئے تھے؟

سوال نمبر: 4 دادی جان نے کیا دیکھ کہ چیخ ماری تھی؟

سوال نمبر: 5 سست کوے کو کیا سبق ملا؟

نومبر 2020ء کے سوالات کے جوابات

جواب نمبر 1: ہاتھی آیا تھا

جواب نمبر 2: شیشے کی پلیٹ ٹوٹی تھی

جواب نمبر 3: اپنی دم کو گھاس میں چھپالے۔

جواب نمبر 4: جھاڑیوں کے پیچھے چھپا تھا

جواب نمبر 5: ختم نبوت زندہ باد کے بیج تقسیم کیے تھے

پیارے بچو!

- انعامی سوالات کے جوابات یا اپنے فن پارے آپ ڈاک سے بھی بھیج سکتے ہیں، ای میل بھی کر سکتے ہیں اور دیے گئے نمبر پر وٹس ایپ بھی کر سکتے ہیں۔
- سوالات کے جوابات ہوں، یا پیارا سا فن پارہ اس پر اپنا نام، عمر، پتا، کلاس، اسکول / مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے فون نمبر ضرور لکھیں۔
- اس صفحے پر پوچھے جانے والے سوالات کے جوابات تین شمارے چھوڑ کر چوتھے شمارے میں شائع کیے جاتے ہیں۔

وٹس ایپ کے لیے نمبر نوٹ کر لیں 0316 2339088

نومبر 2020ء کے سوالات کا درست جواب دے کر انعام جیتنے والے تین خوش نصیبوں کے نام

- سلمان کراچی
- مدثر کراچی
- فہیم الحسن کراچی

ان تینوں میں سے ہر ایک کو 300 روپے نقد اور ماہنامہ فہم دین مبارک ہو

قلم

سحر قاسمی

قلم کردار کا افکار کا معمار ہوتا ہے
قلم ہی کاروانِ علم کا سالار ہوتا ہے

امانت دار ہوتا ہے یہ صدیوں کے فسانوں کا
یہ واعظ رفت کا، فردا کا پہرے دار ہوتا ہے

قلم اذہانِ سے اوہام کے نقشے مٹاتا ہے
سرِ طاغوت یہ توحید کی للکار ہوتا ہے

قلم کی نوک سے تعمیر بھی ممکن تباہی بھی
کہ یہ مرہم بھی ہوتا ہے یہی تلوار ہوتا ہے

قلم ہے پاسباں علم و ہنر کا دین کا داعی
نہتا ہو کے بھی یہ لشکرِ جرار ہوتا ہے

خودی بے دار ہو، بے باکی و سچائی ہو جس میں
قلم کی لاج رکھنے کو وہی تیار ہوتا ہے

بہت سا بوجھ ڈھو کر ایک ان پڑھ کہہ رہا تھا یہ
قلم نا آشنا انساں بہت لاچار ہوتا ہے

بڑا ہے فرض اس کا، قوم ہو جب خوابِ غفلت میں
مصنف کا قلم اس وقت بھی بے دار ہوتا ہے

جہالت آندھی و طوفان بن کر جب لپکتی ہے
یہ اس کے سامنے فولاد کی دیوار ہوتا ہے

یہ عزم و ولولہ امید کے دیپک جلاتا ہے
بتانِ یاس کی گردن پہ اک تلوار ہوتا ہے

وہ ابن الوقت جو حرمت قلم کی بیچ کھاتا ہے
بشکلِ دوست ہو پر آستیں کا مار ہوتا ہے

سحر آساں نہیں ہوتا قلم کا حق ادا کرنا
کہ انعامِ صداقت گوئی اکثر "دار" ہوتا ہے

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

رمیصاء اسلم

دخترِ مصطفیٰ سیدہ فاطمہ
زوجۂ مرتضیٰ سیدہ فاطمہ

باحیا، باخدا، صابرہ، شاکرہ
طیبہ، طاہرہ، سیدہ فاطمہ

جس کی تعظیم خیرُالبشر خود کرے
مومنہ، صالحہ، سیدہ فاطمہ

اُمِ کلثوم، زینب، رقیہ، بہن
اور تھی رابعہ سیدہ فاطمہ

فضلِ مولیٰ ہوئی منقبت میں لکھا
ساجدہ، عابدہ، سیدہ فاطمہ

اہلسنت کے ہاں معتبر نام ہے
زاہدہ، عابدہ، سیدہ فاطمہ

رب کے محبوب کو دونوں محبوب تھیں
سیدہ عائشہ، سیدہ فاطمہ

بنتِ اسلم تیری خوش نصیبی ہے یہ
ہے زباں پر سدا ، سیدہ فاطمہ

مومنوں کی خوبیاں

ارسلان اللہ خان

مومنوں کی خوبیاں ہوتی ہیں کیا
سورۂ انفال میں دیکھو ذرا

درحقیقت ہیں وہی مومن کہ جب
سامنے اُن کے اگر ہو ذکر رب

دل لرز جاتے ہیں اُن کے خوف سے
جب پڑھی جاتی ہیں اُن کے سامنے

آیتیں اللہ کے قُرآن کی
کیفیت بڑھتی ہے پھر ایمان کی

رب پہ کرتے ہیں بھروسا وہ سدا
اور نمازوں کو بھی کرتے ہیں ادا

جو بھی کچھ اللہ نے اُن کو دیا
خرچ کرتے ہیں وہ اُس سے جابجا

اصل میں ایمان والے ہیں یہی
ہیں بڑے اُن کے بہت درجات بھی

مغفرت بھی اُن کی ہوگی بالیقین
رزق بھی اُن کو ملے گا بہترین

آؤ دیں ان آیتوں پر ہم دھیان
اور کریں ان پر عمل ہم ارسلان

گلدستہ

ترتیب و پیش کش: ابوبکر، عبد الرحمان، متعلم جامعہ بیت السلام کراچی

تہذیب و ثقافت میں مرد اور عورت کا مقام

ہماری معاشرت میں مرد کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ وہ خاندان کا سربراہ ہوتا ہے، نسل باپ کے نام سے چلتی ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ ماں کو بھی اہم مقام حاصل ہے۔ گھر کے اندرونی خانہ میں اس کی حاکمیت ہے، گھر کی دیکھ بھال اور اولاد کی تربیت اس کی ذمہ داری ہے، عورت کو تعلیم حاصل کرنے، جائیداد خریدنے، ملازمت کرنے اور وراثت میں حصہ طلب کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ پاکستانی ثقافت کی بنیاد چوں کہ اسلام پر ہے، اس لیے مرد اور عورت کے حقوق کا تعیّن اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہی سمجھا جاتا ہے اور خصوصاً شادی میں بھی اسلامی تعلیمات کے مطابق دونوں فریقین کی رضامندی ہونا لازمی ہوتا ہے۔ بعض مواقع پر عورتوں کے حقوق کے حوالے سے بعض نامناسب باتیں ہمارے معاشرے میں زیرِ بحث ہوتی ہیں۔ مثلاً عورتوں کی قرآن سے شادی، کم عمر بچیوں کا بوڑھے افراد سے نکاح، بچیوں کا ان کی مرضی کے خلاف زبردستی نکاح، عورتوں اور بچیوں کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ تو سب باتیں شریعت کا علم رکھنے والے افراد بخوبی جانتے ہیں کہ یہ سب خلافِ اسلام ہیں۔ قرآنِ کریم اور حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان ساری خرافات کی نفی فرمائی ہے۔ اس وجہ سے ہمیں اپنے معاشرے کو سمجھانا ہوگا، تربیت کرنی ہوگی اور جہالت کا ازالہ کرنا ہوگا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی ہیں۔ ان کی بڑی بڑی بزرگیاں ہیں۔ ایک دفعہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام خدا تعالیٰ کا سلام تمہارے پاس لائے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی تمام عورتوں میں سب سے اچھی چار عورتیں ہیں۔ ایک حضرت مریم، دوسری حضرت آسیہ فرعون کی بیوی، تیسری خدیجہ، چوتھی حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہنّ) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ کافروں کے برتاؤ سے پریشانی ہوتی، آپ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آکر فرماتے تو یہ کوئی ایسی تسلی کی بات کہہ دیتیں کہ حضرت ﷺ کی پریشانی جاتی رہتی اور آپ کو ان کا خیال ایسا تھا کہ ان کے انتقال کے بعد بھی کوئی بکری وغیرہ ذبح کرتے تو ان کی ساتھیوں سہیلیوں کو بھی ضرور گوشت بھیجتے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ان کا نکاح ہوا تھا۔ ان کے پہلے شوہر کا نام ابوہالہ تمیمی ہے۔

تاریخ اسلام خواتین، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

حمدِ ربِ ذوالجلال

صبح تعریفیں شام تعریفیں
ختم تجھ پر تمام تعریفیں
اے جہانوں کے پالنے والے
ہم ترے ساری کائنات تری
کس قدر ہے رحیم ذات تری
مشکلوں سے نکالنے والے
تجھ سے دنیائے ہاؤ ہو مولا
مالک آخرت بھی تو مولا
پل کو صدیوں میں ڈھالنے والے
جذبۂ بندگی کی حد چاہیں
تجھ سے چاہیں اگر مدد چاہیں
سیدھے رستے پہ ڈالنے والے
نعمتیں اپنی عام کر ہم پر
کھول دے رحمتوں کے در ہم پر
قسمتوں کو اُجالنے والے

از کلام، مظفر وارثی

نعت

پھر پیشِ نظر گنبدِ خضرا حرم ہے
پھر نامِ خدا روضۂ جنت میں قدم ہے
پھر شکرِ خدا سامنے محرابِ نبیؐ ہے
پھر سر ہے مرا اور ترا نقشِ قدم ہے
محرابِ نبیؐ ہے کہ کوئی طورِ تجلّی
دل شوق سے لبریز ہے اور آنکھ بھی نم ہے
پھر منتِ دربان کا اعزاز ملا ہے
اب ڈر ہے کسی کا، نہ کسی چیز کا غم ہے
پھر بارگہِ سیّدِ کونینؐ میں پہنچا
یہ اُن کا کرم، اُن کا کرم، اُن کا کرم ہے
یہ ذرّہ ناچیز ہے خورشید بداماں
دیکھ اُن کے غلاموں کا بھی کیا جاہ و حشم ہے
ہر موئے بدن بھی جو زباں بن کے کرے شکر
کم ہے بخدا اُن کی عنایات سے کم ہے
رگ رگ میں محبت ہو رسولِ عربی کی
جنت کے خزائن کی یہی بیع سلم ہے
وہ رحمتِ عالم ہے شہِ اسود و احمر
وہ سیّدِ کونین ہے آقائے اُمم ہے
وہ عالم توحید کا مظہر ہے کہ جس میں
مشرق ہے نہ مغرب ہے، عرب ہے نہ عجم ہے
دل نعتِ رسول عربی کہنے کو بے چین
عالم ہے تحیّر کا، زباں ہے نہ قلم ہے

از کلام: حضرت مفتی اعظمؒ

آپ کے اشعار

منحصر قوت بازو پہ ہے دولت مندی
دیکھ لو، زور میں ہے زر دو بٹا تین
جوش سلیمانی

مشکل جو زندگی تھی آسان ہو گئی ہے
اب مجھ کو دوستوں کی پہچان ہو گئی ہے
شمس وارثی

زخم دل کے ہو چکے تھے لاعلاج
اک نگاہِ لطف مرہم ہو گئی
شنکر لال

چنے ہم نے دانتوں کے ہوتے نہ پائے
بنے پوپلے تو چنے ہاتھ آئے
رنگین

ٹپکتا ہے اشعارِ حالی سے حال
کہیں سادہ دل مبتلا ہو گیا
حالی

بوڑھوں سے نوجوان کہاں تک وفا کریں
لیکن نہ موت آئے تو بوڑھے بھی کیا کریں
اکبر الہ آبادی

بچپن ہی سے تقدیر میں لکھی تھی اسیری
ماں باپ کہا کرتے تھے دل بند، جگر بند
ظفر علی خان

بند ہو جائے جسے دیکھ کر رقیبوں کی زباں
لکھ دو کچھ سوچ سمجھ کر مجھے ایسے تعویذ
جعفر

یاد نے جس کی بھلایا سب کچھ
اس کی میں یاد بھلاؤں کیوں کر
شیفتہ

یہ انوکھی ریت دیکھی مجلس اقوام کی
ایک ہی لاٹھی سے ہانکو بد کو اور بد نام کو
عارف

پردہ عورت کا زیور

بے پردگی ہر فحاشی و عریانی کے لیے باب مستطیر ہے، کیوں کہ عریانی اور بے پردگی یہ بہیمانہ فطرت ہے، اس کی طرف انسان کا میلان فطرتی نہیں ہو سکتا، کیوں کہ انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے پردہ اور صیانت رکھی ہے تو پردہ عورت کی فطرت کے بالکل موافق ہے، تاکہ اس کی عفت و عصمت کے ساتھ ساتھ انوثت بھی باقی رہے، چناں چہ بے پردگی جس کے نتیجہ میں اختلاط ہوتا ہے، اس کے نتائج اتنے وخیمہ (خطرناک) ہیں جن میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں:

(1) چوں کہ بے پردہ عورتیں زینت کے اظہار میں مقابلے کے طور پر باہر نکلتی ہیں (یعنی یوں نکلتی ہیں جیسے زینت کے اظہار کا مقابلہ ہو) جس سے مردوں کے خاص طور پر نوجوان حضرات کے اخلاق خراب سے خراب تر ہو جاتے ہیں اور ان کو اس بات پر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ فحاشی کو پسند کریں۔

(2) خاندان، روابط برباد ہو جاتے ہیں اور اپنے اہل و عیال سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اور طلاق کثرت سے ہونے لگتی ہے۔

(3) عورت کو تجارت کا وسیلہ بنایا جاتا ہے، بڑے بڑے اسٹوروں میں ہسپتالوں میں اور دیگر اداروں میں جس سے گندے امراض کا پھیلاؤ بڑی جلدی ہو جاتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ

لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ حَتّٰى يُعْلِنُوا بِهَا إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الطَّاعُونُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ فِي أَسْلَافِهِمُ الَّذِينَ مَضَوْا

(ابن ماجہ 9104 والبزار 6761)

"جب بھی کسی قوم میں فحاشی ظاہر اور اعلانیہ ہو، اس قوم میں طاعون اور بھوک و فقیری عام ہو جاتی ہے جو کہ ان کے اسلاف میں نہیں ہوتی۔"

نئی تہذیب کا عجیب فلسفہ

پروپیگنڈے کی قوتوں نے یہ عجیب و غریب فلسفہ ذہنوں پر مسلّط کر دیا ہے کہ عورت اگر اپنے گھر میں اپنے اور اپنے شوہر، اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں اور اولاد کے لیے خانہ داری کا انتظام کرے تو یہ قید اور ذلت ہے، لیکن وہی عورت اجنبی مردوں کے لیے کھانا پکائے، ان کے کمروں کی صفائی کرے، ہوٹلوں اور جہازوں میں ان کی میزبانی کرے دکانوں پر اپنی مسکراہٹوں سے گاہکوں کو متوجہ کرے اور دفاتر میں اپنے افسروں کی ناز برداری کرے تو یہ "آزادی" اور اعزاز ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

صورت اور سیرت

"صورتیں عشق کے لیے نہیں سیرت عشق کے لیے ہے۔ صورت تو بگڑنے والی چیز ہے۔ صورت درحقیقت ایک گندگی ہے، گندگی جب تک رہتی ہے صورت باقی رہتی ہے، یہ نکل جائے تو صورت ختم ہو جاتی ہے، لیکن سیرت ہر حال میں موجود رہتی ہے، اگر اچھی سیرت علم اور کمال ہو تو دنیا میں رہے گا جب۔۔۔ باکمال! قبر میں جائے گا جب۔۔۔ باکمال! حشر میں پہنچے گا جب۔۔۔ باکمال! اور صورت یہاں کہیں بھی ساتھ نہیں ہوگی، سیرت ہی سیرت انسان کے ساتھ رہتی ہے، اس لیے انسان کا یہ فرض ہے کہ اپنی سیرت بنانے کی فکر کرے، نہ کہ صورت بنانے کی فکر میں رات دن لگا رہے۔"

بیت السلام اولمپیاڈ

محبت ویگانگت، اتحادویک جہتی کی خوب صورت تصویر

مختلف نظام ہائے تعلیم کے 180 اداروں کے 1200 سے زیادہ طلبہ نے 2021ء کے مقابلوں میں حصہ لیا مقابلے 4 سے 11 فروری تک جاری رہے۔

ہفتہ 13 فروی کی شام ایک پر شکوہ اور باوقار تقریب میں پوزیشن لینے والے طلبہ اور ٹیموں کو میڈل اور نقد انعامات دیے گئے

رپورٹ: خالد معین

کیا ہی خوب صورت منظر تھا، جب کراچی کے علاقے کورنگی میں واقع انٹیلیکٹ اسکول میں ایک خوب صورت اور پر شکوہ تقریب کے لیے سجائے گئے اسٹیج پر کراچی کے مدارس اور اسکول و کالج کے منتخب طلبہ قومی ترانہ پڑھ رہے تھے۔ یہ سب رنگ و نسل، قومیت، زبان اور ذات سے بالاتر ہو کر ایک طالب علم کے روپ میں تھے۔ بیت السلام کا یہی مقصد ہے کہ اتحاد و یک جہتی اور محبت و یگانگت کا مظاہرہ ہو۔

جی ہاں یہ بیت السلام اولمپیاڈ 2021 کی اختتامی اور انعامی تقریب تھی۔ جس میں اکیڈمک اور کھیلوں کے مقابلوں میں پہلی، دوسری اور تیسری پوزیشن لینے والے طلبہ نے مہمانان گرامی سے اپنے انعامات حاصل کیے۔

پانچواں اولمپیاڈ 9 اسپورٹس اور 31 اکیڈمک مقابلوں پر مشتمل تھا۔ یہ مقابلے 4 سے 11 فروری تک جاری رہے۔ یہ مقابلے پہلے جنوری کے آخر میں ہونا طے پائے تھے لیکن کورونا کے پھیلاؤ سے حفاظت کے لیے تعلیمی ادارے بند ہونے کی وجہ سے دو ہفتے کی تاخیر کرنا پڑی۔ 180 تعلیمی اداروں کے 1200 سے زیادہ طلبہ نے مقابلوں میں حصہ لیا۔ یہ مقابلے اپنی سابقہ روایات کے مطابق ماشاءاللہ پوری شان و شوکت اور نظم و ضبط کے ساتھ منعقد ہوئے۔

اختتامی تقریب کے مہمان خصوصی گورنر سندھ جناب عمران اسماعیل تھے، جنہوں نے اپنے خطاب میں بیت السلام کی رفاہی اور تعلیمی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اولمپیاڈ مقابلوں کے انعقاد کو ایک خوب صورت کوشش قرار دیا۔ اولمپیاڈ انتظامیہ کی طرف سے اسپانسر اداروں کے لیے یادگاری شیلڈ کا اہتمام کیا تھا یہ شیلڈ مہمان خصوصی کے ہاتھوں ان اداروں کے نمائندگان نے وصول کی دیگر معزز مہمانان گرامی میں جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاذ حدیث مفتی محمد زبیر اشرف عثمانی۔ پاکستان کرکٹ کے مایہ ناز آل راؤنڈر صاحب زادہ شاہد خان آفریدی اور نامور سیٹسمین محمد یوسف تھے۔ ان مہمانان گرامی کے ہاتھوں اول دوم سوم آنے والے طلبہ اور ٹیموں کے کپتان حضرات نے میڈل اور نقد انعامات وصول کیے۔ جناب شاہد خان آفریدی نے بیت السلام کی خدمات پر اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا اور اپنی رضاکارانہ خدمات پیش کرنے کا عزم ظاہر کیا۔

بیت السلام کی تعلیمی، رفاہی خدمات پر کئی ڈاکومینٹریز پیش کی گئیں۔ مہمانان گرامی اور تمام حاضرین ان تمام تفصیلات، اسٹیج کے بہترین نظم، رضاکاروں کی جہد مسلسل سے بہت متاثر ہوئے۔ اولمپیاڈ انتظامیہ نے پر تکلف عشائیے کا بھی اہتمام کیا تھا۔

J.
FRAGRANCES

THE ERA
POUR HOMME

10
SHAHID AFRIDI

www.junaidjamshed.com J.Fragrances.Cosmetics J.Fragrances.Cosmetics J_Frag_Cos J.JunaidJamshed

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

Available on the App Store

GET IT ON Google Play

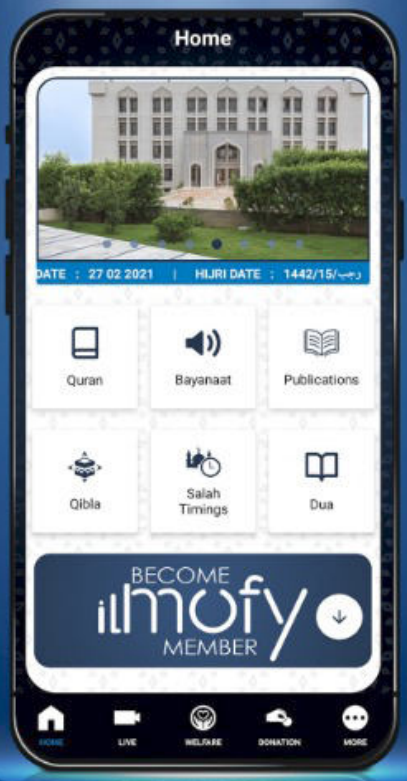

بیت السلام پبلیکیشن
کے تمام میگزین
ایک کلک کے فاصلے پر

ماہنامہ فہم دین (اردو)

سہ ماہی انٹیلکٹ (انگریزی) ماہانہ ریڈینس (انگریزی)

سہ ماہی مجلۃ السلام (عربی) نیوز بلیٹن (اردو ،انگریزی)

پلے اسٹور سے BAITUSSLAM
ایپ ڈاؤن لوڈ کیجیے اور ملاحظہ کیجیے

اس کے علاوہ اس ایپ میں آپ پائیں گے

- تلاوت کے لیے قرآن کریم کا نسخہ • نماز کے اوقات • قبلہ نما (دوران سفر سمت قبلہ جاننے کی سہولت)
- شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے اصلاحی بیانات
- حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ کے تمام بیانات اور خطبات • اصلاحی مواعظ کے کتابچے
- اندرون و بیرون ملک بیت السلام کی تعلیمی اور رفاہی خدمات کی تفصیلات
- بیت السلام کی تعلیمی اور رفاہی خدمت میں شامل ہونے کی رہ نمائی
- اجتماعی قربانی میں حصہ لینے سمیت زکوۃ، صدقات اور عطیات کی رقوم آن لائن بھیجنے کی رہ نمائی اور بھی بہت کچھ

baitussalamwelfaretrust Baitussalam baitussalam_org 923162881088